جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر

تصنیف

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

جسے

... الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے

عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

تیسری مرتبہ

جولائی ۱۹۳۵

غدر کی ماری شہزادیاں

یا

بیلیا میں میلہ

غدر دہلی کی ماری ہوئی شہزادیوں کی دردانگیز سرگذشت

جسے

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

نے

اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرمایا

مع سہ رنگین فوٹو بلاک کی نقشوں

رازق الخیری مالک عصمت بک ایجنسی دہلی نے

محبوب المطابع دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

ملک کے رسالے

دھلی

ایت مفید

زبان

سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۲۰ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ عصمت تمام اُردو رسالوں سے زیادہ تعداد پر اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لیے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔
سالانہ چندہ قسم اول پانچ روپے
قسم دوم معمولی کاغذ تین روپے

اتنی آسان ہوتی ہے کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی سمجھ سکیں نہایت دلچسپ کہانیاں اور مفید مضامین ہر ماہ شائع کیے جاتے ہیں بچیاں بڑے شوق سے بنات کا مطالعہ کرتی ہیں۔ عصمت کے علاوہ صرف یہی پرچہ ہے جس میں حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ ہر ماہ مستقل مضامین تحریر فرماتے ہیں۔ بنات کا مقصد مسلمان بچیوں میں مذہبیت پیدا کرنا ہے۔ چندہ سالانہ ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر اور بذریعہ وی پی ایک روپیہ پانچ آنے۔

مینجر عصمت و بنات کوچہ چیلان دھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل رات کو جب حسینہ ارضی چادر مہتاب میں لپٹی بیخبر پڑی سوتی
تھی، دل وحشی رنگ لایا، چاندکی روشن شعاعیں تیر کی طرح آنکھوں
میں گھسیں، دماغ نے راحت و سکون کے بجائے یاد رفتگاں پر
رجوع کیا، اور آنکھیں زندہ دُنیا میں بچھڑی ہوئی صورتوں کی تلاش کرنے
لگیں۔ تارے آدھی رات کا نقارہ بجا چکے تھے۔ آہستہ سے اُٹھا اور
خاموشی سے چلا۔ اور ایک بجے کے قریب اِس جسد خاکی کو مہندیوں
میں پہونچا دیا۔

دِل رو رہا تھا گر آنکھ خاموش تھی۔ کائنات سو رہی تھی لیکن چاند مصروف
رقص تھا۔ مہندیوں کا وسیع میدان جہاں کوسوں زندہ اِنسان کا نشان نہیں
دلی کا مشہور قبرستان ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز کا مقتدر خاندان اسی

فہرست

تعویذ مسلمانوں کی حالت کا آئینہ تھے ان کی صورتیں دیکھتا ہوا باہر نکلا۔ ببر کے تکیہ سے آگے بڑھ کر کوٹلہ میں دم لیا اور پھرتا پھراتا اس جگہ پہونچا جو بیلہ روڈ کہلاتی ہے۔

بیلہ روڈ ترقی جہاں آباد کا ایک شعبہ ہے برقی لالٹینیں جگمگا رہی تھیں سڑک موتی کی طرح صاف و شفاف، دونوں طرف خوشنما کوٹھیوں کی قطار، پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور کبھی کبھی ایک ہلکی سی آواز کسی چوکیدار یا برقنداز کی۔

بیلہ روڈ کا بورڈ پڑھتے ہی پرانی دلی یاد آگئی اور بیلے کی اصل تصویر آنکھوں کے سامنے تھی بیلا سرکنڈوں کا ایک گھنا جنگل پچاس سال پہلے جمنا کے کنارے دور تک چلا گیا تھا۔ یہاں دلی والوں کی کبڈی اور آنکھ مچولی کے تماشے میری آنکھوں نے بھی دیکھے ہیں۔ اور جو رنگ میں دیکھ چکا ہوں جہاں آباد ہزار بار اجڑے اور بسے مگر وہ چیز ختم ہو چکی۔

دل بدبخت کی کیفیت الفاظ میں کیونکر ادا کروں۔ چاند آسمان کی گود میں اٹھکیلیاں کر رہا تھا اور تارے بساط فلک پر ایلے گیلے پھر رہے تھے۔ میں بھی وہی تھا اور آسمان بھی وہی لیکن ہائے زمین وہ نہ تھی بیلا اجڑ چکا تھا، سرکنڈوں کی چھاؤں غارت اور پرندوں کے آشیانے تباہ و تاراج ہو چکے تھے۔ آنکھوں نے تگبود کی طرف اس جمنا کو دیکھا جس کے پانی کو دنوں نہیں برسوں بوسے دئے تھے اگر آہ جمنا کہاں! وہ نہروں میں تقسیم ہو کر اب ایک تالاب رہ گئی تھی دل جس کو ڈھونڈھ رہا تھا اس کا کوسوں پتہ نہ تھا۔

اس وقت پچاس برس پہلے کی ایک صحبت یاد آتے ہی کلیجہ پر سانپ

سرزمین میں محو خواب ہے۔ راستہ آتش ماہ سے دہک رہا تھا۔ اور خوابگاہ
نیم کی خوشبو سے مست و معطر تھی۔ درگاہ میں داخل ہوا تو شکستہ آثار اور
کالی کلوٹی دیواریں مسلمانوں کے احساس کی تفسیر کر رہی تھی۔ ایک خاندان کے
ان سات بزرگوں کی آرام گاہ مولانا شاہ ولی اللہ۔ مولانا شاہ عبدالقادر۔
مولانا شاہ عبدالرحیم۔ مولانا شاہ عبدالعزیز۔ مولانا شاہ رفیع الدین۔ مولانا شاہ محمد اسحٰق
اور وہ محترم ماں جس کے پیٹ سے یہ لال پیدا ہوئے آج پردۂ دنیا پر یگانۂ
روزگار ہے سات سہیلیوں کا آسمانی گچھا ہر رات ان کے مقدس نام چومتا
ہوا نمودار ہوتا ہے ہَوا ان کے کارناموں کو گنگنا کر ان پھولوں کو جو شاخ اور
درختوں کی سرسبز پتیوں نے ان کے مبارک مزاروں پر چڑھائے صاف
کر رہی تھی۔

میں دلی کا رہنے والا ہوں جوانی کی سیاہی اسی سرزمین پر بڑھاپے
کی سفیدی سے بدلی۔ بارہا متبرکوں کے ساتھ بھی اور فاتحہ کی غرض سے بھی
جانے کا اتفاق ہوا ہے مگر آج تک اس چبوترے پر چڑھنے کی ہمت نہیں
پڑتی۔ تاریخ جس وقت مملکت علوم کے ان تاجداروں اور مذہب اسلام
کے ان خدمت گزاروں کی حکومت اور خدمت سامنے لاتی ہے تو جسم
کانپ جاتا ہے اور اقلیم سخن کے ان شہنشاہوں کا جلال پاؤں میں زنجیر
بنکر پڑ جاتا ہے۔ تھرا جاتا ہوں اور دور سے اس جھنڈے کو سلام کرتا ہوا
اُلٹے پاؤں واپس ہوتا ہوں جو ان مبارک ہاتھوں نے اسلام کی حمایت
میں گاڑا اور جو آج بھی اتنا مستحکم و استوار ہے کہ انقلاب زمانہ کی زبردست
سے زبردست آندھی اس کو جگہ سے نہیں سرکا سکتی۔

درگاہ سے باہر نکلا تو کچی پکی قبریں ٹوٹی پھوٹی دیواریں اُسلٹے سیدھے

ہنڈو لٹکے ہوئے تن زیب کے مہین مہین انگرکھے، کندھوں پر بسنتی دوشالے، صورتیں، سرخ وسفید چہرے، جو تھا وہ ہنستا بولتا اچھلتا کودتا مگن چلا جا رہا تھا۔

آج اُن صورتوں کا خیال آتے ہی دل بیٹھ جاتا ہے۔ سستا سماں بے فکری کے دن، من بھر کے گیہوں، چار پیسے سیر دودھ، اور دودھ بھی کیسا ملائی کے گھونٹ دن بھر کا اونٹا ہوا، آدھ سیر دودھ میں آدھ پاسے زیادہ روٹی کی روئی ملائی دو گھونٹوں میں جی خوش ہوگیا۔ یہ تھیں وہ غذائیں جو آدمی کو آدمی بناتی تھیں آج کے دلی والوں کو دیکھتا ہوں سوکھے چھپٹی دہان پان آنکھوں میں حلقے، کلوں میں گڑھے رزق کے مارے، خوراک کو محتاج، دودھ کو ترستے، گھی کو پھڑکتے۔

میں اس کو بھی بسا غنیمت سمجھتا ہوں کہ شہر کے صاحب کمال اپنے ساتھ ہی اپنے قدر داں بھی ختم کر گئے اور آج کا بیان داستان شب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس وقت کا یہ ذکر ہے ان دنوں آدھی رات کے وقت شہر میں ایک صداگو نجتی تھی۔

"شیدی کنور کے باغ کا دانہ"

یہ ایک خوش الحان کنجڑا تھا جو نو بجے رات کو شیدی قنبر کے باغ سے کھجوروں کا چھبا لیکر اُٹھتا تھا۔ رات کے سناٹے میں جب اس کی آواز بھنبیری کی طرح جھومتی تھی تو لوگ پروانوں کی طرح گرتے تھے۔ اسی طرح نو حیندی جمعرات کو بڑیوں کے کٹہرہ میں عشاکے بعد حسنا کی اس آواز میں ایک خاص امتیاز تھا۔

"پٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

لوٹ گیا۔ میں اور میرے پھوپھی زاد بھائی مولوی اشرف صاحب مینن ایک شام کو مولوی نذیر احمد مرحوم کے ہمراہ گاڑی میں جا رہے تھے۔ منشی ذکاء اللہ مغفور بھی ساتھ تھے۔ موری دروازہ کے پاس پہونچے تو معلوم ہوا کہ بھولو شاہ (بو علی شاہ قلندر) کی بسنت ہے۔ جمعرات کا دن تھا۔ دلی نئی نئی تاراج تھی مگر دلی والے آٹھویں دن پیر غیب پر جمع ہو کر اجڑی ہوئی دلی کی فاتحہ پڑھ لیتے تھے۔ ہم دونوں بھائی مولانا سے مرحوم کے شاگرد تھے گاڑی ایسی جگہ پہونچی جہاں دلی کا مشہور بین نواز رحمت اپنے فن کا کمال دکھا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا کی استادانہ حیثیت رحمت کے مقابلہ میں مغلوب ہو رہی ہے جو کمزور ہوتے ہوتے اس حد تک پہونچی کہ استاد مرحوم نے گاڑی رکوا دی۔

دلی اے دلی تیری خاک سے کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے اور تیرے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں فنون کے کیسے کیسے تاجدار دفن ہیں جن کی روشنی ایک دنیا کو جگمگا گئی۔ کجا مولوی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ اور کجا رحمت بین نواز مگر حق یہ ہے کہ کمال آتنا تو ہو کہ کلیجہ توڑ دے دونوں بزرگ اتر پڑے یہ خبر نہیں کہ کیا دیا مگر نقد بھی دیا اور داد بھی دی۔

گاڑی عصر کے بعد گھر لوٹی اور ہم دونوں بھائی اپنے چند دوستوں کے ساتھ شاموں شام پیر غیب پہونچے۔

کیونکر دکھاؤں کہ کیا دیکھا۔ بیلے میں میلا اور جنگل میں منگل ہو رہا تھا آج جہاں بجلی کے خاموش قمقموں پر اُلو بول رہا ہے یہاں دور تک دکانوں کا تانتا تھا۔ تنبو تنے ہوئے، ڈیرے پڑے ہوئے، خیمے گڑے ہوئے،

ؔ۱ جنہوں نے مثنوی میر حسن کو ایڈٹ کیا ہے۔

ملے تھے۔ مرزا کا طنطنہ یاد ہے؟ محلے والوں کی روح فنا ہوتی تھی۔ جدھر نکل گئے قیامت آ گئی۔ تھانہ دار اور کوتوال تک پناہ مانگتے تھے۔ اب دیکھو کیا رنگ ہے۔ کمر جھک گئی، طباق سا چہرہ، سیپی اور چھاج سا سینہ، تنکا رہ گیا۔ وہ چونچالی اور خوشحالی سب ہوا ہوئی۔ جس نے نو من کمار کی جوڑی پھول کی طرح اٹھالی۔ آج پان سیر وزن اٹھانے میں ہانپ رہا ہے! بادشاہ یہ سب طاقت اور جوانی کے کھیل ہیں ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔"

"آج کہرام ہے۔ یہ سامنے والا تنبو دیکھا شہزادیوں کا ہے۔ بادشاہ کی بھتیجی گوہر آرا بیگم آئی ہیں اور سہیلیوں کو جمع کیا ہے۔ سب اپنی اپنی غدر کی داستانیں سنائیں گی بڑی سرکار ربیعہ بیگم جہاں پناہ کی صاحبزادی بھی آئی ہیں اذن عام ہے جو چاہے شریک ہو۔"



گوہری تنبو کے سامنے والا میدان آدمیوں سے پٹا پڑا ہے بسنتی قمقمے ڈال ڈال اور پات پات جگمگا رہے ہیں قندیلیں روشن ہیں چراغ جل رہے ہیں اور کافوری شمعیں ان حسرت نصیب گھڑیوں پر آنسو بہا رہی ہیں۔

گوہر آرا بیگم کی بچھڑی ہوئی سہیلیاں جو کبھی پھولوں میں تلتی تھیں اور اب پیوندوں میں ٹھکی ہوئی ہیں اس غرض سے جمع ہوئی ہیں کہ ان بدبختوں پر فاتحہ پڑھیں جن کو وقت نے بھوکا یہاں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب شمع ان مہمان بیویوں کی ترستی ہوئی آنکھوں کو زندہ صورتیں دکھا چکی اور ایثار مصائب کی یاد نے جو قیامت بپا کی تھی وہ ختم ہوئی تو دل ان کھنڈروں کو ڈھونڈھنے لگا جو جیتے جاگتے خاک و خون میں نہانے

ہم آگے بڑھے تو شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی بی اے آ گئے۔ ان سے باتیں ہو رہی تھیں کہ پھولوں کی آواز کان میں آئی اور مرزا نے کہا۔

"شہزادی گونج رہی ہے"

اُدھر پہونچے تو بیگم ایک عجیب انداز سے پھول بیچ رہی تھی۔ پٹاپٹ کے گجے۔ ترپی ہوئی گیکری کناوی کی جھالریں چھیبوں پر پڑی ہوئی۔ ترے کا حقہ منہ سے لگا ہوا نیچے پھول مہک رہے ہیں، اوپر بنجرے میں اگن ہک رہا ہے، ادھر پھولوں کی خوشبو ہے، اُدھر تمباکو کی سامنے قلعی دار پاندان ہے، برابر میں کوری صراحی، الغرض نفاست اس کی حالت پر اور شرافت اس کی صورت پر قربان ہو رہی تھی۔ بڑھاپے کی حدود میں سُرخ و سپید رخساروں کی جھریاں باآواز بلند قصر شباب کی بہار سُنا رہی تھیں۔ تیمنا بیگم کے نام سے تو واقف تھا مگر خبر نہ تھی کہ بڑھیا گلفروش کے منہ سے بھی پھول جھڑتے ہیں میر محفوظ علی جو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں شاید سب سے بڑے تھے ٹھٹک گئے اور کہنے لگے۔

"بیگم! آواز کا کڑاکا اب بھی غضب ڈھا رہا ہے"

بیگم کے خاموش چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے مونڈھوں کو ٹھیک کیا اور کہا "آؤ سید بیٹھو"۔ جب ہم بیٹھ گئے تو بیگم نے جواب دیا۔

"سید بادشاہ! اب کڑاکا کہاں، جوانی اپنے ساتھ سارا کس بل لے گئی، رہا سہا غدر نے اچور کر دیا، ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں، بدن میں جان نہیں، ڈاڑھیں نکل گئیں، دانت جھول آئے، بدن کا سکھ، جوانی نے توڑا، ڈھانچ رہ گیا ہے چاروں طرف لیے پھرتی ہوں۔ پرسوں چچا کالے

سے بدتر، کھٹیا پر پڑا پاپڑ بیل رہا ہے۔

شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی بی اے جو اس صحبت میں ہمارے شریک تھے اور جنہوں نے یہ رات رو رو کر صبح کی تھی اگر زندہ ہوتے تو یقیناً شاہزادیوں کا یہ نالہ جو بیلے کی سرزمین پر بلند ہوا مرنے نہ پاتا اور فضاء ادب میں ایسا گونجتا کہ سننے والے بھی بلبلا جاتے۔ لیکن بدبختوں کی تقدیر پر کوئی رونے والا بھی نہ رہا اور انتعاداً راتوں کی طرح وہ رات بھی آئی گئی ہوئی جس نے خاندان تیموریہ کی ان لٹی کٹی بیگمات کے آنسو اپنے آغوش میں لیئے۔ گوہری نمبو خلیفہ اکن کے وسط میں گاڑا گیا تھا چاروں طرف قناتیں کھڑی ہوئی تھیں اور رات کا تاریک حصہ بجائے دیبا و حریر کے ان مخدرات کے نازک جسم کی پردہ پوشی کر رہا تھا جو قلعہ معلیٰ سے نکل کر اس وقت بیلے کی مہمان تھیں۔ آسمان کے تارے انکی تیرہ بختی کے شاہد تھے اور زمین بتارہی تھی کہ یہ شہر پر راج کرنے والیاں آج دودو دانوں کو محتاج ہیں شہزادیوں میں پردہ برائے نام تھا اس لئے تمبو میں داخلہ کی عام اجازت تھی۔ جگہ چونکہ کافی اور میدان وسیع تھا اس لئے چپقلش نہ تھی۔

گوہر آرا بیگم شکریہ ادا کر چکیں تو مہمانوں کے سامنے پانوں کی کشتی آئی کا غذی تختے جو بادشاہ کے ساتھ ہی شہر سے کوچ کر گئے چاروں طرف سلگ رہے تھے کہ ایک بیوی سنبھل کر بیٹھیں اور گوہر آرا بیگم نے فرمایا۔

" یہ ظل سلطانی کی خالہ زاد بہن مظفر بیگم ہیں۔ انکی صورت سے پہچانی نہیں جاتی۔ مگر جنہوں نے قلعہ کی چہل پہل اور اس مظفری رنگ،

آنکھیں ڈھاڑیں مار مار کر روئیں اور داغوں نے نام لے لے کر پکارا۔ مگر زندگی کی گھڑیاں اس تماشے کو روندتی ہوئی آگے بڑھیں۔ آنے والوں کی مسرت نے جانے والوں کی یاد دل سے بھلا دی۔ فانوس بزم احباب کو منور کر رہے تھے محبت کا دَور جاری تھا اور پھولوں کی خوشبو ہوا کو معطر کر رہی تھی کہ مہماں نواز خاتون نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

آج بیلا اور بیلے کے مہمان دونوں اُجڑ چکے شہزادیوں کی بزم اور اس کے دَور ختم ہوئے وہ رات فجر ہوئی اور اس کے بعد لاتعداد راتیں سر پر آئیں اور گئیں مگر اس رات کا سماں آج تک آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور اب موت کے سوا اس جلسے کو بھلانے والی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔

شاہجہاں آباد اگر تاراج نہ ہو چکا ہوتا تو بیلے کی یہ رات حق رکھتی تھی کہ اسکا ایک ایک لمحہ دلی والوں کے سر آنکھوں پر ہوتا۔ تاریخ ان قیامت خیز واقعات کی پرستش کرتی اور انسانیت کی آنکھیں ان مصیبت ماروں پر جن کی داستانوں نے سُننے والوں کے کلیجے دہلا دئے۔ محبت کے آنسو گراتیں۔ مگر وقت نے شہر کو اور شہر کے ساتھ شہر والوں کو اس طرح تباہ کیا تھا کہ عقل و ہوش سب رخصت ہو چکے تھے۔ یہ بھی چند زندہ دلوں کا طفیل تھا کہ زندے مردوں کے ذکر سے مٹی ہوئی زندگیوں کو تازہ کر رہے تھے۔ میں نے بھولو شاہ کی اس بسنت میں جو صورتیں دیکھی تھیں اب ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آتی اور جو چہرے گوہری تنبو میں نظر آئے وہ سب رخصت ہو چکے اور ایک آدھ باقی بھی ہے تو مُردے

پھر اب مگر یہ تقدیر کی خوبی ہے کہ جب عالیجاہ پر وقت پڑا اور دلی کی
آواز کو ترس گئے تو ہم کسی خدمت کے قابل نہ رہے۔

مظفر سلطان کے مُنہ سے سرکار کا نام سُنتے ہی سب کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بادشاہ کی مغفرت کے لئے ہزاروں
ہاتھ بلند ہو گئے۔

جب یہ ہو چکا تو مظفر سلطان نے کہا:۔

شہر کی حالت اتنی ابتر ہو گئی تھی کہ ہر طرف کہرام مچ رہے تھے اور
کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رات بھر رونے پیٹنے کی آواز نہ آتی ہو بھاگنے
والے بھاگ چکے تھے اور اب بھی جا رہے جس کا مُنہ اُٹھا جا رہا تھا۔
افراتفری ایسی تھی کہ بھائی کو بھائی کی خبر نہ تھی۔ زندوں کی خیر صلاح تھی
نہ مردوں کی تجہیز و تکفین کا ہوش نہ غیروں کا خیال۔ مغرب کے بعد منشی
[illegible] آ کے کہنے لگے کہ کل اس اسکو پھانسی ہوگی۔ ست ہی ست پر
[illegible] ایک کو دوسرے کی خبر نہیں بھاگنے کا رستہ تھا نہ چھپنے
کی جگہ۔ دروازے بند ہیں جان اور کھٹکے میں دل۔ جو پکڑا گیا پھر پلٹ کر نہ آیا
میرے شوہر حضرت مرزا کو دن دہاڑے کوتوالی چبوترہ پر کالے مخبر نے
پھانسی دلوا دی۔ میں بہتیرا ہی تڑپی اور پیٹی کہ صاحب عالم کی لاش اپنے
ہاتھ سے دفن کروں مگر کسی نے نہ سُنی اور یہی کہا کہ جب بادشاہ ہی
کے پیاروں کو کفن نصیب نہ ہوا تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ مرزا کے بعد جینے کا
مزا نہ تھا اور مجھے سب سے بڑا کھٹکا سلیم کا تھا جس کی مسیں بھیگ رہی
تھیں کہ دیکھئے اسکا کیا ہوتا ہے۔ میں نے کالے مخبر اور اس کی بیوی

رلیاں دیکھی ہیں وہ سمجھ گئے ہونگے کہ غدر نے جن کو زندہ چھوڑا ہے ان کو بھی اس طرح پچھاڑا کہ حال سے بے حال، اور صورت سے بے صورت کر کے۔ یہ انار کا سرخ و سپید دانہ آج پھیکا شلجم ہے حق یہ ہے کہ ہمکو اس صورت ہی کے لالے تھے۔ قربان جائیے اس خدا کے جس نے بچھڑی ہوئی مظفر کو ہم سے ملوا دیا اور یہ صورت پھر دکھادی مظفر پر شہر سے نکل کر کیا بیتی یہ خود سنائے گی مگر اتنا میں بھی جانتی ہوں کہ ہماری عیش کی گھڑیاں حضور کے دم تک تھیں ہمارا سہاگ بادشاہ کے ساتھ ختم ہوا۔ جتنا ہنسنا تھا سرکار کے ساتھ ہنس لیے اب روئیں گے اور اسوقت تک روئیں گے جب تک بدن میں سانس باقی ہے۔"

رات خاصی ڈیڑھ پہر کے قریب گذر چکی تھی اور گو تمام میلہ میں کچھ پایا بس رہی تھیں مگر گوہری تمبو والوں کو سانپ سونگھ گیا تھا گویا نماز ہو رہی ہے کہ کہا سننے کھونسنے کے سوا کوئی آواز ہی نہ تھی مظفر سلطان بیگم اب آگے کھسکیں انھوں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

(۱) شہزادی مظفر سلطان بیگم کی سرگذشت

"ظل سلطانی جن کے سایہ میں ہمارا بچپن کٹا اور جوانی گذری۔ ہم سے ہزاروں کوس دور زندگی کے اتنی دن پورے کر کے دنیا سے رخصت ہو چکے سرکار کے مبارک ہاتھوں کے نوالے بارہا میرے منہ میں گئے ہیں اور حضور نے سینکڑوں ہزاروں مرتبہ میرے سر پر شفقت کا ہاتھ

تھیں اور لالٹینوں میں انکی تلواریں اور برچھیں دور سے جگمگا رہی تھیں۔
قدم بڑھانے کی ہمت نہ پڑی اور دونو بچوں کو کلیجہ سے لگا وہیں بیٹھ
گئی جب میں نے دیکھا کہ پہرے والے تک بیخبر پڑے ہیں تو بچوں
کے منہ پر آیتہ الکرسی پڑھ کر پھونکی اور دبے پاؤں چوروں کی طرح آگے
چلی۔ کیا بتاؤں دل کا کیا حال تھا سر پر موت تھی اور سامنے وہ موسئے
برقندار مگر اللہ کی کچھہ ایسی مہربانی ہوئی کہ میں پرانے قلعہ تک پہونچ
گئی اور سانس تک کی آواز میرے کان میں نہ آئی۔ یہاں میں ٹھٹکی خدا
کا لاکھہ لاکھہ شکر ادا کیا چاند کی آخر تاریخیں ہر طرف اندھیرا گھُپ۔
اس پر یہ خوف کہ صبح کو جو دیکھے گا وہ مار ڈالے گا۔ رستے کا پتہ نہیں
کہ کدھر جاؤں۔ غرض بچوں کو لے اسی سڑک پر سیدھی ہولی سلطان جی
پہونچکر مجھے معلوم ہوا کہ ہم نظام الدین میں ہیں۔ فرخ نے پانی مانگا مگر
میرے پاس پانی کہاں۔ اسکو بہلاتی پھسلاتی لیے جا رہی تھی کہ دو آدمیوں
کی آواز سُنائی دی۔ جان نکل گئی اور سمجھی کہ ظالم آ گئے سڑک چھوڑ
کچھہ ڈنڈی پر ہولی دل دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا اور جان کا اللہ ہی وارث
تھا کہ پو پھٹی اور ایک گاؤں کی سی صورت نظر آئی +

اب میں نے اپنا بھیس بدلا دوپٹہ سر سے باندھا اور سلیم کی اچکن
پہنکر خاصا اچھا لڑکا بن گئی۔ گاؤں کے پاس ایک ٹوٹی سی مسجد تھی۔
ہم تینوں وہاں پہونچے ایک بڈھے سے گنوار نے غلط سلط اذان
دی اور ہمکو غور سے دیکھ کر چھوٹتے ہی کہنے لگا " شہر سے بھاگے
ہو " میں نے بھی نماز پڑھی مگر کیا خاک پڑھی۔ دل کا اللہ ہی بیلی تھی
سلام پھیر چکی تو بڈھے میاں نے کہا اُس لڑکی کو پیاس لگ رہی ہے

بچوں کی رات رات بھر خدمت کی کہ کہیں ظالم میرے بچے کا نام نہ لے دے۔ اور مرزا کے ساتھ اسکا داغ بھی نہ اٹھانا پڑے۔ کالا اصل میں لوہا رتھا مگر اس وقت شہر بھر کا مختار تھا اس کی مخبری پر چٹکی بجاتے پھانسی ہوتی تھی۔ پوچھ نہ گچھ۔ مِسل نہ مقدمہ۔ جس دن بھائی فراست کو پھانسی ہوئی ہے وہ رات خدا دشمن کو نہ دکھائے اور میرے واسطے تو قیامت سے کم نہ تھی۔ جب کالے نے کہا کہ تمھارے بچے کا بھی نام آیا ہے میں اتنا سنتے ہی چکرا کر بیٹھ گئی کالا میری حالت پر ہنسا اور کہا "شہر میں بارہ مخبر ہیں اسوقت تو میں نے بچا لیا۔ مگر ان بے ایمانوں کے منہ کو تو خون لگا ہوا ہے اور مسجد میں قسم کھائی ہے کہ بے لیے اپنے باپ کو نہ چھوڑینگے تمہارے پاس جو جمع جتھا ہو لے آؤ میں لے دے کر پاپ کاٹوں۔ خبر نہیں دوڑ کس وقت آجائے۔"

میرے پاس نقد تو ایک کوڑی نہ تھی جو گہنا پاتا تھا وہ اوپلوں کی کوٹھری میں دبا رکھا تھا مجھے زیور پچہ سے زیادہ نہ تھا دوڑی دوڑی گئی اور جو کچھ تھا کھود کہا دا اس کے حوالے کیا۔ مگر دل کا یہ حال تھا کہ گزوں اوچھل رہا تھا اور سب سے بڑا دھڑکا یہ تھا کہ تیزی کی بارہ چھوڑ سنتا ئیں ہوگئی تھی مگر مردوں کی سلامتی کی گھنگھنیاں اب تک نہ اُبلیں کس کی نیند اور کس کی بھوک آدھی رات اسی چکر میں بیت گئی مجھے ٹھیک یاد بھی نہیں کہ آدھی تھی یا پچھلا میں نے سلیم اور فرخ دونو بچوں کو ساتھ لیا سلیم ماشاء اللہ پندرہویں اور فرخ اللہ رکھے چھٹے برس میں تھی یہ دونو نیند میں کسمساتے اُٹھے مگر ان کو لے کر کسی نہ کسی طرح دِلی دروازے تک پہونچی۔ گوروں اور کالوں کی راوٹیاں کھڑی ہوئی

اب بڑے بڑھیا کا ڈر تھا کہ کب آئیں اور کدھر سے آئیں تینوں اس مقبرے میں گھسے اور دن وہیں گذارا بھوکے پیاسے لق لق کرتے رات کو نکلے تو سڑک پر ایک کوٹھری میں دو مٹکے سے دکھائی دیئے یہ پیاؤ تھی پیٹ بھر کر پانی پیا لٹیا بھر ساتھ لی اور آگے بڑھے۔ صبح ہوتے ہوتے فرید آباد پہونچے۔ ہم تھک کر چور ہو گئے تھے اور پاؤں میں موٹے موٹے چھالے پڑ گئے تھے۔ فرید آباد کے ایک قاضی صاحب نے ہم کو مہمان بھی رکھا اور خاطر تواضع بھی کی مگر یہ کہہ دیا کہ "یہاں زیادہ رہنا ٹھیک نہیں" مخبر ادھر بھی آجاتے ہیں تم لوگ جلدی کوچ کرو" میں اتنا سنتے ہی پریشان ہو گئی اور شام ہی کو وہاں سے چلتی ہوئی۔ دوسرے دن گیارہ بجے کے قریب ہیبیا پہونچے یہ ہندوؤں کا گاؤں تھا جہاں ہر طرف سے ہم پر لعنت برسنے لگی، بھنگیوں اور چماروں کی طرح ہم کو جھوٹی روٹی کے ٹکڑے ملے اور الگ سے پانی پلایا۔ بھوک میں کواڑ بھی پاپڑ ہوتے ہیں کسی نہ کسی طرح پیٹ بھرا۔ کہیں میرا دوپٹہ سر سے سرک گیا تو ایک موٹے جگادری ہندو نے دوپٹہ یہ کہہ کر اتار لیا۔

"ارے یہ تو عورت ہے"

میں چور بنی کھڑی تھی کہ دو تین ہندو میرے دونوں بچوں کو پکڑ لے گئے اور مجھ سے کہا "تو مخبر ہے نکل یہاں سے نہیں تو ابھی سر پھاڑ ڈالیں گے"

ایک شخص میرا ہاتھ پکڑ مجھکو سڑک پر چھوڑ گیا اور یہ کہہ گیا کہ "اب گاؤں میں قدم رکھا تو جان کی خیر نہیں"

انہوں نے ایک میلے کچیلے مٹکے کی طرف اشارہ کیا جو کوٹھری میں رکھا
تھا۔ ٹوٹے ہوئے کلڑے سے پانی بھرا اور اوک سے پلایا تو بڑے میاں
نے اتنی مہربانی کی کہ ہم سے کہا "تم لوگ بھوکے ہوگے چلو میں کھانا
کھلا دوں!" ہم ان کے ساتھ ہو گئے بھوک کے مارے [illegible]
ان کے گھر پہونچے تو معلوم ہوا بڑے میاں بڑھئی ہیں۔ انہوں نے غور
سے ہماری صورتیں دیکھیں اور کہنے لگے "مال [illegible]
لائے ہوگے ہمارا حصہ تو دلواؤ!" میں نے کہا "تلاشی لے لیجئے پھوٹا
بادام بھی پلے نہیں بھوکے مر رہے ہیں ہمارے [illegible]
بڑھئی خاموش تھا اس کی بڑھیا بیوی اندر سے [illegible] اور
پیاز کے گھٹے لائی۔ ہمکو وہی غنیمت ہو گئے [illegible]
میں شکریہ ادا کر رہی تھی کہ اس نے فرخ کو دیکھ کر کہا۔
"تم کو روٹی نصیب نہیں اس بچی کو کہاں لیے پھرتے ہو [illegible] یہیں
چھوڑ جاؤ ٹہل کرے گی پیٹ پالے گی!"
میری تو یہ سنکر جان نکل گئی بڑھیا میری بچی کا [illegible] طرف
لے گئی اور مجھ سے کہنے لگی یہ تو دلی کی انگنائی ہے [illegible]
کالے آتے رہتے ہیں تمکو بھاگنا ہے تو جلدی بھاگ جاؤ [illegible]
جاؤ وہ گاؤں بھی اچھا ہے اور بچا ہوا بھی ہے!" میں اسکا منہ تکنے لگی
فرخ روئی تو بڑھیا نے اس بری طرح سے ڈانٹا کہ [illegible] اپنے
کام پر چلا گیا ہم دونو کھڑے اپنی تقدیر کو رو رہے تھے بڑھیا اپنی [illegible]
لے کر جنگل کو گئی اور میں اپنے دونو بچوں کو ساتھ لے ایک طرف ہولی۔
تھوڑی دُور جاکر ایک ٹوٹا سا مقبرہ دکھائی دیا گوروں اور کالوں سے زیادہ

مادری اس توسن کو مہمیز کر رہی تھی یہاں تک کہ رات کی سیاہی نے کائنات کا ساتھ چھوڑا اور ہم ایسے پہاڑ کے دامن میں پہونچے جہاں مرغ کی آواز انسانی آبادی کا پتہ دے رہی ننھی بچے بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے میں تو خیر دن بھر کی بھوکی پیاسی اعمال کو بھگت اور تقدیر کو رو رہی تھی معصوم بچے نہ معلوم کس گناہ میں پکڑے گئے تھے کہ تن کو چیتھڑا تھا نہ پیٹ کو ٹکڑا پاؤں کے چھالوں میں سے پانی اور ہاتھ کی کھرچوں سے خون بہ رہا تھا مگر دھجی تک میسر نہ تھی کہ پٹی باندھ دیتی رات جس نے اپنی زندگی میرے بچوں کی رہنمائی کو وقف کر دی تھی دم توڑ چکی اور دن ہم خانماں برباد وں کے استقبال کو آگے بڑھا مگر رات کی دیوی کا سایہ ہمارے واسطے نعمت تھا جس نے اپنا سیاہ لباس دن کو اوڑھا کر کرۂ دنیا پر دھکیلا اس کے خوفناک چہرے میں آفتاب کا کچھ ایسا ذخیرہ چھپا ہوا تھا کہ ننھے سے دل دہل گئے اور سلیم بخار میں لرزہ ہوا اور فرخ سر پکڑ کر بیٹھ گئی گاؤں کچھ فاصلہ پر تھا مگر نہر قریب ہی جاری تھی اب اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ میں نے اپنی پھٹی ہوئی رضائی املی کے نیچے پانی کے قریب بچھائی اور دونو بچوں کو وہاں لٹا کر فرخ کا سر دبانے بیٹھ گئی۔

چہرہ آفتاب کی ترقی کے ساتھ میرے بچوں کے کلیجے تمتانے شروع ہوئے اور ابھی پہلا پہر ختم نہ ہوا تھا کہ سلیم بالکل ہی بے سُرت ہوگیا رات بھر کا خمار اور پانچ چھ کوس کی تکان اس پر بھوک اور پیاس اور نہیں گھر نہیں! مجھ پر جو گذری بیان نہیں کر سکتی

اَب میں کس طرح بتاؤں کہ بچوں سے چھوٹ کر میری کیا کیفیت ہوئی دن بھر بڑ کے پیچھے بیٹھی روتی رہی اور خدا خدا کر کے شام ہوئی۔

ابھی رات کی سیاہی پوری چھائی نہ تھی کہ ماما بڑ کے پیچھے سے اُٹھا کر گاؤں میں لے آئی جھٹ پٹا وقت تھا گوالنیں اپنی گائے بھینسوں کا دودھ دوہ رہی تھیں اور آنے جانے والے اِدھر اُدھر آجا رہے تھے میرا دِل ہوا ہو رہا تھا اور دم پر بنی ہوئی تھی کہ اب کسی نے پکڑا مارا اور نکالا تھوڑی دور ایک ٹیلے کے پیچھے چھپی۔ لیکن یہاں بھی چین نہ پڑا۔ نکلی مُنہ گاؤں کی طرف کیا مگر ہمت نہ پڑی اور ایک جگہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی ابھی جھٹ پٹا ہی تھا کہ عورتوں اور مردوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں گھی کے چراغ ہاتھ میں لیئے مندر کی طرف جانے لگیں۔ شاید کوئی میلہ ہوگا جس کا پُورا حال مجھے معلوم نہیں جب مندر کھچا کھچ بھر گیا تو میں اسی گھر پر پہونچی جہاں میں نے اپنے بچے چھوڑے تھے جھانک کر دیکھا تو ایک بڈھا پڑا ہوا حقہ پی رہا تھا اور دونو بچے سامنے بیٹھے تھے۔ سوچتی تھی کہ کیا کروں بچوں کو کیونکر بلاؤں مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی دِل کڑا کیا جان پر کھیل کر اندر قدم رکھا تو بڈھا اونگھ رہا تھا میں نے بچوں کو اُٹھایا بڈھا اونگھتا ہی رہا اور میں بچوں کو ساتھ لے باہر آئی اب چاروں طرف اندھیرا گھپ تھا البتہ مندر سے بھجنوں کی اور جنگل سے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے میرے دونو بچے بھاگے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ مجھکو اپنی جان کی پروا نہ تھی بچوں کے دھڑکے نے نیم جان کر دیا تھا جسم کی تمام قوت جمع ہو کر ٹانگوں میں آگئی تھی اور شفقت

ماماتا کی ڈوبی ہوئی آنکھیں دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھیں ایک نگاہ سلیم پر تھی اور دوسری فرخ پر۔ اٹکل سے دو کا وقت سمجھ کر میں نہر پر وضو کرنے بیٹھی کہ وہی رحمدل جاٹ آ پہونچا اور اس کی اس آواز نے مجھے چونکا دیا" ارے تو عورت ہے" میں تھر تھر کانپنے لگی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے ہزاروں قسم کے خوف تھے مگر خدا اسکا بھلا کرے میں تو کہتی ہوں سینکڑوں مسلمان اس ہندو پر قربان مجھ سے کہنے لگا" بہن چل میرے گھر چل" میں اسکا منہ تکنے لگی اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا" ڈر نہیں تو بہن اور میں بھائی" فرخ کو میں نے گود میں لیا اور سلیم کو اس نے پیٹھ پر، میں ڈرتی ڈرتی اس کے گھر پہونچی تو اس کی بیوی شوہر سے زیادہ ملنسار تھی بچوں کی طبیعت دوسرے دن ٹھیک ہوگئی اور ان دونو میاں بیوی نے ایسی محبت سے رکھا کہ اب بھی خیال آتا ہے تو بیسا ختہ دعا نکلتی ہے میں ڈیڑھ مہینہ تک اس گھر میں رہی جاٹ جاٹنی نے پردیس کو دیس بنا دیا۔ جب میں نے سن لیا کہ شہر میں امن ہوگئی تو ادھر کا رخ کیا۔ بھائی جاٹ خود ہم کو یہاں تک پہونچانے آیا اور میرا رونگٹا رونگٹا اسکو ہر وقت دعائیں دیتا ہے +

مظفر سلطان کی داستان اس قدر دلچسپ اور درد انگیز تھی کہ بیلہ کا میلہ سیلانیوں کی سیر اور دوکانداروں کا کاروبار سب خاک میں مل گیا، جو تھا وہ گوہری تمبو میں آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا کچھ ایسا سناٹا چھایا کہ جو تھا وہ دم بخود۔ مظفر کا بیان ختم ہوا

ہوا ہماری غذا تھی اور املی کی پتیاں ہماری مہمان نواز، فرخ نے پانی مانگا میں چلو بھر کر لائی کہ دو جاٹ موٹے موٹے لٹھ کندھوں پر رکھے سر پر آدھمکے اور پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیوں ٹھہرے ہو" میں نے منت سے کہا "ہم مسافر ہیں تھک کر چور ہوگئے بچوں کو بخار ہوگیا دم لے رہے ہیں دوپہر ڈھلے آگے بڑھ جائیں گے" ایک جاٹ جس کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں بگڑ کر بولا "تم لوگ شہر سے بھاگے ہو ہم کو بھی پکڑواؤگے جاؤ یہاں سے آگے بڑھو" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بچے بیمار ہیں دیکھ لو بخار چڑھ رہا ہے تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے لُو چل رہی ہے گرمی تیز ہے اب چلے تو بن آئی مرجائیں گے" اس نے لٹھ زمین پر پٹخا اور کڑک کر کہا "اُٹھا بچوں کو آگے بڑھ" میری روح فنا ہوگئی کہ اگر اس نے میرے لٹھ مار دیا تو پھڑکا بھی نہ کھاؤں گی اور کسی بچے کے پڑ گیا تو سی بھی نہ کر سکے گا۔ فرخ کو گود میں لیا سلیم کو اُٹھایا تو کھڑا نہ ہوسکا دوسرے جاٹ کو مجھ پر رحم آگیا اور کہا "اچھا بیٹھ جا" یہ کہہ کر وہ دونو چلے گئے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہی بچارا تین موٹی موٹی روٹیاں اور مٹھا لے کر آیا۔ میں نے اسکو ہزاروں دُعائیں دیں۔ بچے تو کیا کھاتے میں نے ایک روٹی کھائی اور دو رکھ لیں کہ اگر ان میں سے کسی نے ٹکڑا مانگا تو دیدوں گی۔ دوپہر سے پہلے ہی لُو کے جھکڑوں نے میرے لالوں کو جھلسانا شروع کیا۔ ہَوا کے تھپیڑے مُنہ پر طمانچے مار رہے تھے اور بخار زدہ معصوموں کے منہ پر پھیپڑیاں بندھ رہی تھیں۔ آسمان انگارے برسانے لگا اور زمین شعلے اوگلنے لگی،

فقرہ ختم ہوتے ہی ایک دفعہ بیگم پھر ہنکی اور وُہی صدا دوبارہ گونجی۔

"لپٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

بیگم کے دونو چھپے موتیا سے چوٹی دار بھرے ہوئے تھے ایک میں اگجراتی دوسرے میں دیسی۔ ہوا ان کی خوشبو سے مست ہو رہی تھی اور اِنسانی دماغ جو بادشاہ کا نام سُنتے ہی اپنی بدبخت آنکھوں سے آنسو گرا چکے تھے خاموشی سے جھُوم رہے تھے شاہی تصویر انکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی قلعہ معلیٰ کا سماں یاد آگیا، گذرے ہوئے دن اور بیتی ہوتی راتیں کلیجے پر چھُریاں چلانے لگیں لحہ بھر ہُو کا عالم رہا آخر گوہر آرا بیگم نے پہلے پانوں کی کشتی منظفر سلطان کے سامنے رکھی اور پھر زہرہ بیگم سے کہا" ہاں بیگم اب تم اپنی بپتا سناؤ خدا نے دوبارہ ملوایا ہے ہمکو تو اُمید تھی نہیں"

زہرہ بیگم نے ہنسکر گوہر آرا بیگم کا شکریہ ادا کیا اور کہا" جس خدا نے بچھڑوایا تھا اسی نے ملوادیا بہن اپنی داستان کیا سُناؤں دِل میں زخم ہیں، زخموں میں ٹیسیں ہیں شہر جہاں پناہ کے ساتھ اُجڑ گیا اب ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے خدا کی شان ہے ہمارا قلعہ جس کی دھوپ میں ہمارا بچپن جوانی سے بدلا اور جس کی چھاؤں میں ہمارے نال گڑے تھے ہماری آنکھوں کے سامنے ہم سے ویسے بدل چکا اور ہم اس کی صورت کو ترس رہے ہیں نیم کی ٹہنیاں اور پیپل کی کونپلیں جس وقت ہوا میں سرسراتی ہیں اور یہ ہری بھری شاخیں اور سرسبز ٹہنیاں جب ہوا میں تیرنے والے پرندوں کو اپنی گود میں لیتی ہیں اور آزادی کے

اور شہزادیوں کے تارے دلی کے آسمان کا کلیجہ توڑ چکے تو گوہر آرا بیگم نے میزبان کی حیثیت میں یہ الفاظ کہے:۔

"مظفر سلطان نے بتا دیا کہ قلعہ معلیٰ کی بسنے والیاں جنہوں نے گرمی کے دن خس کی ٹٹیوں اور پنکھوں میں گذارے تو کے تھپیڑوں اور املی کے پتوں میں بھی زندہ رہ سکتی ہیں مگر کون کہہ سکتا تھا کہ خود حضور عالی پر کیا کچھ نہ گذر جائے گی۔

حضور کا نام زبان پر آتے ہی دلی والے تڑپ اٹھے اور "ہائے بادشاہ" کے نعرے چاروں طرف سے بلند ہوئے آدھ گھنٹہ سے زیادہ یہ کہرام مچتا رہا تو شمع زہرہ بیگم کے سامنے آئی۔ زہرہ بیگم جہاں پناہ کی بھانجی تھیں وہ ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھیں کہ گوہری تنبو میں یہ آواز گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

گوہر آرا بیگم بولیں: "خالہ جیتی رہو۔ غنیمت ہے تمہارا دم کہ روتی صورتوں کو ہنسا دیتی ہو۔"

(۲) شہزادی زہرہ بیگم کی داستان

بیلے کے بازار جہاں تھوڑی دیر پہلے ایسی چہل پہل اور گہما گہمی تھی کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے اس وقت سناٹے میں تھے اور تمام میلہ سمٹ سمٹا کر گوہری تنبو میں آگیا تھا گوہر آرا بیگم کا

آتی ہے کہ وہ کس طرح تماشے دکھاتا ہے دُور فاصلہ پر ایک دھندلی سی روشنی نظر آئی ہم ایک کونہ میں بیٹھ گئے اور دو نو مرد وہاں پہونچے تو وہ چنے کی دوکان تھی وہ چنے پکا رہے تھے گئے چنے والا بھی بھلا مانس تھا چنے بھی کھلائے پانی بھی پلایا ذرا پیٹ میں پڑی تو آگے بڑھنے کی سوجی مگر ادھر دیکھتے ہیں تو بچی جان ٹھنڈی برف پڑی ہوئی ہیں۔

آکا نے دیکھ کر کہا انکی نبضیں ہی جا چکیں بہتیرا جھنجوڑا آوازیں دیں لیکن ان کو ہوش نہ تھا حالت لمحہ بہ لمحہ غیر ہو رہی تھی اندھیرا گھُپ صورت بھی نہ دکھائی دیتی تھی سانس سُنا تو وہ بھی کچھ ٹھیک نہ تھا مختصر یہ کہ گھرا بولنے لگا۔

میں سمجھتی ہوں دُنیا میں اس سے زیادہ درد انگیز موتیں کم ہونگی شہد اور دوا تو درکنار پانی تک نصیب نہ تھا یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کب گذریں اور کیونکر گذریں خالہ سکندر نے کہا ہو چکیں ہیں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ مر بھی گئیں یا نہیں راتوں رات گڑھا کھود کر وہ بھی کس طرح کنکلوں سے اُٹھا سیدا ان ہی کے کپڑوں میں جو بدن پر تھے دبا دیا اور روانہ ہو گئے۔

"صبح ہم کو دکھائی دیں ہوئی یہ مسلمانوں کا گاؤں تھا اور یہاں آکا میاں کے ایک دوست رہتے تھے وہ ہم سب کو اپنے گھر لے گئے اپنی ذات سے بہت نیک آدمی تھے لیکن ان کی بیوی ایسی دماغ چڑھی تھی کہ خدا کی پناہ سیدھے منہ بات کرنی ہی قسم تھی نیکبخت نے بیسنی روٹی پکائی گھی کی ہنڈیا پاس تھی آپ بھی کھایا بچوں کے ان بھی

وہ اصل میں مذاقیہ آدمی تھا کیونکہ اسی شخص نے سب سے زیادہ ہمدردی کی اور دوپہر کا کھانا اسی نے کھلایا دن پہاڑ ہو گیا کہ کسی طرح گھٹتا ہی نہ تھا اور ہم اس فکر میں تھے کہ ذرا جھٹ پٹا ہو اور آگے بڑھیں۔ گاؤں والوں نے ہم کو پریشان نہیں کیا اور ہم نے جس طرح ممکن ہوا دن بسر کیا جی تو یہ چاہتا تھا کہ انکا شکریہ ادا کرکے آگے بڑھیں مگر مصلحت یہ نہ تھی شام ہوتے ہی چل پڑے۔ بچے نیند کے جھونٹوں میں جھوم رہے تھے اور خود دن کی بھی حالت کچھ اچھی نہ تھی دس بیچے ہوئے کہ پھپی جان کو بخار چڑھا۔ گرمی کے دن تھے لحاف رضائیاں ساتھ نہ تھیں۔ بخار سردی سے آیا سب ان کو لپٹ گئے مگر کپکپی کسی طرح نہ تھمی اس پر طرہ انکی پیاس تھی وہاں پانی کہاں ایک لٹیا میں تو تھی پھوپی جان نے بچہ کے واسطے دو گھونٹ ساتھ لے لیے تھے وہی کام آئے مگر اس سے کیا ہوتا تھا آخر ایک درخت کے نیچے بچھونے بچھائے اور سوچا کہ یہاں دم لیں رات بھر کے جاگے ہوئے تھے تندرست کی خبر رہی نہ بیمار کی، آنکھ کھلی تو سورج سر پر تھا مگر سامنے ہی ایک ٹوٹا ہوا گنبد تھا بھاگ کر وہاں جا چھپے کہ کوئی دیکھ نہ لے آکا اور خالو باہر نکلے۔ گاؤں بہت دور تھا ہم لے ان کو نہ جانے دیا۔ بچے بھوک کے مارے بلوں بلوں کر رہے تھے اور خود ہماری انتڑیاں بھی قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں مگر نہ کچھ کر سکتے تھے نہ ہو سکتا تھا رات سر پر آگئی اور گیدڑوں کے غل غپاڑے کے ساتھ بچوں کی چیخ دہاڑ نے اور بھی قیامت بپا کی آگے بڑھے کہ بدن میں سکت نہ تھا بچوں کو گودوں میں لیا خدا کی قدرت یاد

ناک بھوں چڑھا لیتی تھیں یہ خبر نہ تھی میت کو غسل بھی نصیب نہ ہوگا ۔

زہرہ۔ اجی حضت غدر نے جو مصیبت زندوں اور مردوں پر ڈالی ہے خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے خیر وہ تو مر کر سب بلاؤں سے چھوٹ گییں زندوں کو فرمائیے کہ ان پر کیا گذر رہی ہوگی اور یہ پھلروا سے لال جب بلوں بلوں کرتے ہونگے تو ماںتا کیا کہتی ہوگی ۔

گوہر آرا۔ ہاں بیوی سچ کہتی ہو مگر جب صاحب عالم جہاں پناہ ہی پر ایسی گذری کہ آسمان اور زمین کانپ گئے اور بھوکے پیاسے گھر سے رخصت ہوئے تو ہم لونڈی غلام کس گنتی میں ۔

ابھی گوہر آرا بیگم کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک متفقہ آواز بلند ہوئی اور لوگوں نے تقاضا کیا کہ آگے فرمائیے :۔

زہرہ بیگم نے ہنسکر کہا "بہت اچھا" پھر وہ سنبھلیں اور کہنے لگیں۔

" تیرہ آدمیوں میں سے ایک تو اللہ کو پیاری ہوئیں اب ہم بارہ آدمی تھے دوپہر کے وقت ایک بڑے درخت کے نیچے ہم ذرا سستائے ، گاؤں یہاں سے قریب تو نہ تھا مگر دکھائی دے رہا تھا پیاس کے مارے پیپھڑیاں بندہ رہی تھیں کہ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی یہ لاؤ والوں کی صدائیں تھیں کیا بتاؤں عید کے چاند کی بھی اتنی خوشی نہ ہوگی جتنی اس وقت اس روز کی ہوئی ہم سب لپکے مگر مردوں نے ہم کو روکا اور خود گئے لاؤ والا بیچارہ کوئی شریف آدمی تھا اس نے ایک گھڑا پانی بھر دیا اور آ کانے آکر ہم سب کو پلایا ۔

لگایا۔ مگر ہم کو روکھی دی میں نے کہا اچار ہوتا تو اچھا تھا اُٹھی اور لہسن کی چٹنی سامنے لا رکھدی ۔

ہم دو دن اور دو رات وہاں ٹھیرے مگر اس کی بد مزاجی سے بہت پریشان ہوئے اور تیسرے دن آگے روانہ ہو گئے "

یہاں تک پہونچکر زہرہ بیگم خاموش ہوئیں پانوں کی تھالی اپنے آگے گھسیٹی اور مسکرا کر گوہر آرا بیگم سے کہا آپ کے آنے کے میلہ نے تو اچھے اچھے مشاعروں کو مات کیا کہ جہاں تک نظر جاتی ہے آدمی ہی آدمی دکھائی دے رہے ہیں "

گوہر آرا بیگم بولیں " بیوی یہ بھی کوئی دن کی بات ہے چند روز بعد شہر اور شہر والے ان رنگوں کو چھوڑ بیٹھیں گے نئے نئے لوگ ہونگے نئی نئی باتیں ہونگی دیکھ لو یا د شاہ کے بکتے ہی جان نثار جو چپے چپے پر خون بہانے کو تیار تھے خون کے پیاسے ہو گئے اور نمک حراموں نے چوڑی گوا بیاں دیں ابھی اعلیٰ حضرت کا نام زندہ ہے کہ ہم جیسی لونڈیاں موجود ہیں ہمارے بعد کوئی نام بھی نہ لے گا جس کے قدموں سے دلی اور دلی والوں نے آنکھیں ملیں اس کی روح فاتحہ کو ترسے گی اور دو روٹیاں بھی نصیب نہ ہونگی سچ پوچھو تو بیلہ میں میلہ اور جنگل میں منگل تمہارے دموں سے ہوا ورنہ اس کمبوتیں کون آتا اور یہ چہل پہل ہوتی۔

ہائے تقدیر ! چھی جان خوب کو کفن نصیب ہوا نہ قبر ملی سنا ہی کپڑوں میں خدا کے سامنے بھی گئیں دیکھو خدا اپنی قدرت سے کیا تماشے دکھاتا ہے کیسی نازک مزاج بیوی تھیں بچھونے پر سلوٹ ہوتی تھی تو

ساتھ آیا کھانا اس قدر ساتھ تھا کہ دس اور ہوتے تو کافی ہو جاتا۔

"ہم یہاں پہونچے تو امی جی ہو چکی تھی گر گھر کے گھر سنسان ہو چکے تھے اور بعض محلے تو ایسے اُجڑے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گدھے کے ہل پھر گئے، قلعہ کو دیکھ کر کلیجہ پر سانپ لوٹتا تھا باہر کی دیواریں دیکھ کر اندر کی عمارتوں پر فاتحہ پڑھی اور صبر و شکر سے رہنے سہنے لگے مگر دل پر جو گذری اور گذر رہی ہے وہ دل ہی جانتا ہے کیسے کیسے جوان برابر کی سہیلیاں اور ہجولیاں آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں کہ دل ڈھونڈھ رہا ہے لیکن حضور ہی نہ رہے تو کس کے عزیز اور کہاں کی جھلیلیاں۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا!"

زہرہ بیگم ٹھٹکیں تو گوہر آرا بیگم کے اشارہ سے شمع قمر زمانی بیگم کے سامنے آئی یہ صاحب عالم کی بھانج بہو تھیں۔ ان کے شوہر محمد شاہ اور ایک جوان لڑکا غدر میں مارے گئے جب کالا مخبر قسم کھا گیا کہ دم ہی دم سے ترانی کے دونوں لڑکوں کو پھانسی دلواؤں گا تو شہر سے بھاگیں۔

گوہر آرا بیگم نے کہا" قمر بوا اب اپنی بپتا سناؤ کہ یہ سب مشتاق ہیں" تو انہوں نے آنسو پونچھے اور کہنے لگیں۔

(۴) شہزادی قمر آرا بیگم کی آپ بیتی

جب مرزا صاحب اور بچہ اللہ کو پیارے ہوئے تو میری ما امتا دیوانوں کی سی تھی کالے نے میرے بیگناہ بچہ پر ستم توڑا اسکا بدلہ اسکو

بچوں نے پھر رونا شروع کیا اور بھوک سے بلکنے لگے مگر ہم ہی کیا سکتا تھا آخر ماموجان گاؤں کی طرف گئے اور خدا جانے بھیک مانگ کر یا اپنی داستان مصیبت سنا کر چار روٹیاں اور دو گٹھیاں پیاز کی لیکر آئے اور ٹکڑا ٹکڑا سب کو دیا۔

بریانی متنجن میں بھی یہ مزہ کبھی نہ آیا جو اس وقت کے ٹکڑے میں آیا کھا پی آگے بڑھے بچوں کے پاؤں سوجھ گئے تھے اور لہو نکل رہا تھا مگر کیا کر سکتے تھے اسی طرح چلے گئے۔ شام کے قریب گڑ بانہ کے پاس ایک گاؤں میں پہونچے یہ مسلمانوں کا تھا اور یہاں کا جو مکھیا تھا وہ سانس کے مرض میں بیمار تھا دنیا بھر کے علاج کر ڈالے مگر کسی طرح آرام نہ ہوا اتفاق سے اسکا ایک نوکر کنوئیں پر پانی بھرنے آیا ہم لوگ بھی وہیں ٹھہرے تھے خدا کی قدرت عجیب ہے وہ ایسے تماشے دکھاتا ہے کہ عقل دنگ ہوجاتی ہے۔

نوکر نے کسی آدمی سے اپنے مالک کی حالت بیان کی، گورسے خالو جنہوں نے عمر بھر شکار کھیلا اور کچھ نہ کیا دمہ کی دوا جانتے تھے انہوں نے کہا تین دن میں دھوئیں کی طرح نہ اڑجائے تو توپ کے منہ اڑا دینا اس نے جاکر گھر میں ذکر کیا اسی وقت وہاں سے دو آدمی ہم کو لینے آگئے اور خوب آؤ بھگت ہوئی دونوں وقت گھی اور دودھ کی نہریں بہتی تھیں۔ گورے خالو تو حکیم جی بن گئے اور سارا گاؤں ان کے قدم لینے لگا دو مہینے تک ہم وہاں رہے جب ہم چلنے کا نام لیتے گاؤں والے روک لیتے آخر خدا خدا کر کے وہاں سے رخصت ہوئے دو بڑی بڑی بیل گاڑیاں انہوں نے ہم کو دیں اور ایک آدمی یہاں تک

افرا تفری میں روٹی لینی بھول گئی، نہیں تو دو روٹیوں میں گھی لگا نون ڈال لیتی، اسکو بہلاتی پھسلاتی چلی جارہی تھی اور دل ہوا ہو رہا تھا کہ موئے گیدڑوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں چاندکی شروع تاریخیں گھنٹہ دو گھنٹہ کی بہار دکھا کر چندا ماموں نے بھی ساتھ چھوڑا اب ہم تین دم جنگل کا سناٹا اور ہوا کا فراٹا برقع میں جو ہوا بھری تو کُپا ہو گیا بہتیرا ٹھیک کرتی ہوں مگر وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیتا خدا خدا کرکے اُتارا تہ کیا اور چلی اب جو دیکھتی ہوں تو چھوٹا سڑک پر بیٹھا بسور رہا ہے کہ روٹی دو۔

مَیں نے بہتیرا ہی سمجھایا بڑے ننھے نے چمکارا مگر وہ قبضہ میں نہ آیا مچل گیا چلّانے لگا یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ کوئی سُننے والا نہ تھا آخر رتڑپ تڑپ کر بچہ سو گیا تو بڑے نے پیٹھ پر لادا اور پھر آگے بڑھے صبح ہوتے ہم شہر سے چار کوس دُور نکل گئے یہاں کسی زمانہ کا ٹوٹا ہوا ایک مدرسہ تھا اور اس کے پاس ہی گاؤں بھی تھا مَیں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک تالاب بھی نظر آیا مَیں نے وضو کیا اور مدرسہ میں آکر نماز پڑھی، بڑے کا انگرکھا اُتار کر ایک گوشہ میں پھایا تو نیچے کنکر تھے ہاتھوں سے ان کو صاف کیا اور جھاڑو دے دلا انگرکھا بچھا دونوں کو اس پر لٹا دیا وہ دونوں رات بھر کے تھکے ہوئے اور جاگے ہوئے سو گئے اب مجھکو یہ خیال ہوا کہ چھوٹا اُٹھتے ہی "روٹی" مانگے گا برقع اوڑھ باہر نکلی اور سامنے ایک گھر میں جاکر سوال کیا تو ایک بڑھیا باہر نکلی اور مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے!" مَیں اس سے کھڑی باتیں کر رہی تھی کہ ایک جوان سا آدمی میرے قریب آکھڑا ہوا

مل گیا چالیس دن کے اندر ہی اندر ایسا تاراج ہوا اور ایسی پڑی کہ خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے جب وہ میرے بچوں کی فکر میں تھا تو میں ایک دن دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑ باہر نکلی، بھرا گھر تھا مگر کیا کیا بیتی برتن بھانڈا کپڑا لتہ زمین میں گاڑ، جدھر منہ اٹھا چلتی ہوئی بڑی خرابی یہ تھی کہ رات کو نکلتی تو رستہ کا پتہ نہ تھا اور دن کو جاتی تو پکڑا دھکڑی ہو رہی تھی جھٹ پٹا ہو رہا تھا کہ میں نے دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑا، مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ لاہوری دروازہ ہے یا کابلی بڑے لڑکے نے جو اللہ رکھے اب گیارھویں میں ہے بتایا کہ یہ اجمیری دروازہ ہے گوروں کا پہرہ اور انکی کرچیں اور تلواریں دیکھ کر جان نکل گئی چھوٹے نے کہا "اماں بیوی کھائی کھائی چلو کھڑکی میں سے نکل جائیں گے۔" مجھ کمبخت کو کیا خبر کہ کھائی کہاں ہے اور کھڑکی کدھر! اس کے پیچھے ہولی وہ تھا تو بچہ مگر سچا تھا چلتے چلتے ایک ٹوٹا دروازہ ملا اسی کو کھڑکی کہتے تھے یہاں بالکل سناٹا تھا ہم باہر نکلے تو خاصی دو ڈیڑھ گھڑی رات گذر چکی تھی اور چاندنی اچھی طرح نکل رہی تھی بڑے نے کہا "یہ ادھر تو نظام الدین ہے اور ادھر گوڑگانوہ" ہم نے نظام الدین کی سڑک چھوڑ دی اور گوڑگانوہ کی طرف ہولیے ابھی تھوڑی دور گئے ہونگے کہ ادھر سے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ بس دم نکل گیا، بچوں کو لے کر ایک پیپل کے درخت کے پیچھے جا چھپی تو تین گورے سرپٹ گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے کاٹھیوں میں کبوتر اور فاختہ پچھے اور خبر نہیں کیا کیا پرندے بندھے ہوئے تھے یہ شکاری لوگ تھے وہ نکل گئے تو جان میں جان آئی۔ آگے بڑھی تو چھوٹا تھا کہنے لگا "اماں ہم تو تھک گئے اور بھوک لگ رہی ہے۔" میں اپنی

کلمہ پڑھا اور کہا" ہم کو کیتوں پوچھتا ہے فقیر میں حکم ہوا آ گئے صبح آگے بڑھ جائیں گے جلدی بتا کیا حال ہے"

بڑھے نے غور سے صورت دیکھی تو بی خوبن نے زور زور سے الحمد پڑھنی شروع کی اور کہا دیکھتا کیا ہے دوا بھی لے دُعا بھی لے" دُور دور بیماری دُور" بول کیا حال ہے اور دیکھ سات دن میں تیرے گھر پر بلا نازل ہونے والی ہے، آگ لگے، مُردہ نکلے، ڈھور مرے، شنادی آئے، بیمار کو دم کا پانی دے، جا جا دور دور بلا دور،

بڈھا سوچتا ہی رہا کہ کیا کرے اتنے میں اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت دروازہ میں آئی اور کہنے لگی کیا ہے بڑھے نے جواب دیا "ہے کون اللہ نے اپنے مہمان بھیجے ہیں آجا کوئی مرد نہیں ہے" میں اب تک تو سہم رہی تھی مگر اب مجھے بھی ہنسی آنے لگی خوبن نے عورت کی صورت دیکھتے ہی کہا" بیمار کا یہ حال کر دیا اچھا اب بھی ہشیار ہو مسجد میں چراغ جلا دُور دُور بلا دُور"

خوبن نے اتنا ہی کہا تھا کہ عورت قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی "یہ میرا لڑکا بخار میں تو تپ رہا ہے اندر چلکر دیکھ لو" مرد بولا" مائی جی کہتی ہیں بلا نازل ہونے والی ہے" عورت تو اتنا سُنتے ہی خوبن کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی کہ رحم کرو۔

میرے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اور خوبن اکڑ رہی تھی "دور دور دور" کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی عورت اور مرد دونو سامنے آ کھڑے ہوئے ایک نے ہاتھ جوڑے ایک نے پاؤں پکڑے انکے کہنے سُننے اور منت خوشامد سے خوبن کلمہ درود پڑھتی ہوئی لونڈیں بچے انہوں نے

اور ڈانٹ کر کہا "تو شہر سے بھاگی ہے ہم تجھکو پکڑ کر شہر پہونچائیں گے"!
خدا معلوم وہ کمبخت کیا کرتا کہ اور دو چار آدمیوں نے آکر اس کو دھمکایا
اور میری پوری کیفیت معلوم کر کے مجھکو چار روٹیاں اور مٹھا دیا۔
میں مٹھا اور روٹی لیکر مدرسہ آئی تو چھوٹا بچہ بے خبر اور بڑا بیٹھا
میری راہ دیکھ رہا تھا ایک روٹی تو میں نے بڑے کو دی اور ایک آپ
کھائی اتنے میں چھوٹا بھی اُٹھ بیٹھا اس کے آگے رکھدی ہم کھانا کھا
رہے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ خالسر دار کی بیٹی بی خوبن لڑکتی پڑکتی چلی
آرہی ہیں میری تو جان میں جان آگئی کہ پردیس میں خدا نے فرشتہ
بھیجدیا خوبن عورت کیا آفت کا پرکالا تھی آتے ہی مارے ہنسی کے
پیٹ میں بل ڈال دئے میں بھی ساری رونا بھول گئی ایک روٹی اسکو
دی روٹیاں موٹی موٹی تھیں اور ایک بہت تھی دونوں بچوں نے
تو اس میں سے بھی ٹکڑا چھوڑ دیا۔ کھا پی چکے تو بھلا خوبن کیا نچلی بیٹھنے
والی تھی۔ میں نے بہتیرا کہا کہ چپکی بیٹھ جا مگر وہ کیا ماننے والی تھی
کہنے لگی "میں تو سارے رستے ہی اُچھلتی کودتی آئی ہوں میرے ساتھ
تو چار اور ہوتے تو پیٹ بھر دیتی چل تو کھڑی ہو میرے ساتھ چل"
میں اس کے ساتھ ہولی وہ ایک ایک گھر میں سنگنیاں لیتی تھی۔ ایک
گھر میں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آئی وہاں کان لگا کر دیر تک
سنتی رہی اور پھر اس زور سے کنڈی بجائی کہ میں ڈر گئی ایک بڈھا
اندر سے نکلا تو کڑک کر کہنے لگی۔
"بیمار کا کیا حال ہے ابتک آرام نہیں ہوا" وہ آدمی ہکا بکا ہو کر
رہ گیا اور کہنے لگا "جی تم کون ہو" مگر مسلمان کا تہا بی خوبن نے زور سے

میں تھا مجھکو تو ایسے کھانے ملے کہ میں قلعہ بھی بھول گئی روز مرغ پکتے تھے کیونکہ خوبن جو تعویذ لکھتی تھیں وہ مرغ کے خون سے، دُور دُور کے لوگ آنے لگے اور بی خوبن کی وہ پوجا ہوئی کہ خدا کی پناہ مدرسہ میں تو ہم کوئی آٹھ دس ہی دن رہے اس کے بعد ایک بہت بڑا مکان جو بارہ دری کے نام سے مشہور تھا ہمکو مل گیا۔ کھانا تو ہم کو کبھی پکانا پڑا نہیں اور چاروں طرف سے اتنا آتا تھا کہ ہم جیسے بیس آدمیوں کو کافی ہوتا دونو وقت دو مٹکے دودھ کے آتے تھے خوبن کے صدقہ میں ہماری بھی عزت ہوگئی پیرانی جی تو ایسی پجیں کہ آس پاس کے گاؤں بھی ان کے قدموں میں آگرے ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ میرا بڑا ننھا اب مگن تھا جو کچھ آتا تھا اسی کے ہاتھ میں اور جس کا کام اٹکتا تھا وہ اسی کی خوشامد کرتا تھا کہ پیرانی جی دُعا کریں تو کام ہو جائے۔

ہمکو یہاں رہتے ہوئے خاصے دو ڈھائی مہینے ہو گئے کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ خوبن کے پاس دو ڈھائی روپیہ کے پیسے نقد نہ آجاتے ہوں بڑا ننھا تیسرے چوتھے روز روپیہ بندھوا لیتا تھا خوبن کا تو کام چل رہا تھا وہ کیوں گھبراتی مگر اب میرا دل اُکھڑ گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اب گھر چلنا چاہیئے وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی اس خبر سے لوگ اور بھی زیادہ اس کے گرویدہ ہوئے غرض خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے تین مہینے کے اقرار پر اجازت ملی عورتیں اور مرد اس طرح رو رہے تھے جیسے کوئی اپنا عزیز جاتا ہے صبح کی نماز کے وقت ہم گاڑی میں بیٹھے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے دوپہر کو ایک گاؤں میں جسکا نام گرت تھا ہم لوگ ٹھہرے۔ کھانا بہت کافی تھا اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا۔ کنوئیں کا ٹھنڈا

ہدایت کردی تھی کہ پیچھے پیچھے رہوں اور ہاتھ جوڑے رہوں۔ وہ دونو میاں بیوی بھی ان سے دو قدم پیچھے میرے ساتھ تھے خوبن گھر میں داخل ہوئیں تو عورت لپک کر آگے بڑھی اور چراغ دکھایا باہر کے چبوترہ پر بیمار پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا یہ ایک جوان لڑکا تھا اور بخار چڑھا ہوا تھا خوبن نے جھوٹ موٹ نبض دیکھی اور زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ڈھائی سیر خشکہ ڈھائی سیر گھی ڈھائی سیر دہی ڈھائی سیر کھانڈ ابھی تیار کرو اسکا بخار میں لے لیتی ہوں" اتنا سُنتے ہی دونوں ماں باپ کی جان میں جان آگئی یہ ترکیب خوبن نے اس وقت کی جب دیکھ لیا کہ پنڈا پسیج رہا ہے اور بخار اُترنے والا ہے گاؤں میں کیا کمی تھی سب چیزیں گھر میں موجود تھیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں خشکہ اور سب سامان آگیا خوبن نے اس میں سے دو نوالہ کھائے اور آواز لگائی۔

"دُور دُور بلا دور بخار دور چل چل اس کے پاس سے چل آ آ آ میرے پاس آ"

مریض کا بخار اُتر ہی رہا تھا بی خوبن خشکہ لے وہیں مدرسہ میں آئیں اور ہم سب نے ملکر کھایا اور پڑ رہے صبح ہوتے ہی عورتیں اور مرد ٹھٹ کا ٹھٹ موجود تھے کہ پیرانی جی کہاں ہیں۔ میرے فرشتوں نے بھی یہ سوانگ نہ دیکھے تھے میں نے تو کہدیا بوا خوبن میرے بس کا روگ نہیں ہے مگر بڑا نہا اس کے ڈھب پر چڑھ گیا ایک لکڑی لیکر باہر بیٹھ جاتا اور جہاں لوگ آئے آواز سے کہدیا ٹھہر جاؤ پیرانی جی نماز پڑھ رہی ہیں، چار پانچ دن میں تو سارا گاؤں بی خوبن کے قدموں

مجھ سے کہا تیری نیند کون لے گیا کل بھی تو رات بھر جاگی اور آج بھی نہیں مرتی۔ ہمارے ہاں سے بہت کچھ کما کر لائی ہے وہ سب اُگلنا پڑے گا" میں نے جلدی سے خوبن کو جگایا اور اب جو دیکھتی ہوں تو چار آدمی موٹے موٹے لٹھ لیے سر پر کھڑے ہیں ان میں سے ایک نے کہا" اگر آواز نکالی تو ابھی مغز پہاڑ ڈالیں گے جو کچھ پاس ہو سب رکھ دو" میرانی جی ذرا پھیلی تھیں اور اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ ہم" فقیروں کے پاس کیا خاک رکھا ہے" کہ ایک شخص نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ دیا اور کہا" اب اور بول" اس کے بعد تلاشی ہوئی جو کچھ پاس تھا سب چھین لیا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ موسم گرم تھا ورنہ اور مصیبت آتی اس میلے کچیلے جوڑے کے سوا جو بدن پر تھا دیانت کر دینے کو تنکا تک نہ رہا ہمارے ساتھ آٹا اور گھی بہت تھا اور ہم سمجھتے تھے گھر پہونچکر بھی کھائیں گے مگر وہ بھی چھین لیا اور اس کے بعد انہوں نے دیا سلائیاں جلا کر میری اور خوبن کی صورتیں دیکھیں۔ ہماری بھی تقسیم ہوئی اور اسی طرح دونو بچوں کی بھی باری آئی وہ بھی بٹے۔ میں نے کہا کہ چھوٹا بچہ میرے ساتھ رہے تو اچھا ہے نہیں تو مر جائے گا لیکن کسی نے نہ مانا اور ہم جس جس کے حصے میں آئے تھے اس کے ساتھ چلنے پر مجبور ہوئے۔

میں نے ایک ایک کے آگے منت خوشامد کی، قدموں پر سر رکھا لیکن وہ ظالم کیا مانتے خدا کا یہ بھی شکر ہے کہ میں جس کے پلے پڑی وہ بدمعاش نہ تھا اس کی گھر والی نے مجھے لونڈیوں کی طرح رکھا میری اصلی مصیبت کا آغاز اسی جگہ سے ہوتا ہے +

میں صبح پانچ بجے سے اُٹھا دی جاتی تھی اور ڈھوروں کا گوبر جمع کر کے

پانی پیا اور درختوں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر لیٹے گاڑیبان نے بیلوں کے آگے کٹی ڈالی پانی پلایا وہ بھی سستا لیے تو کوئی تین بجے کے قریب ہم آگے بڑھے مگر ایک بات سے میں کھٹک رہی تھی کہ گوجر گاڑیبان رستے بھر اکڑ اکڑ کر اور اُکھڑ اُکھڑ کر باتیں کر رہا تھا ننھے نے کہا بھی کہ "ذرا آہستہ بول پیرانی جی سو گئی ہیں" تو اس نے جواب دیا کہ "ایسی ایسی پیرانیاں بہت سی دیکھی ہیں" ہم سمجھ رہے تھے کہ پانچ چھ روز میں شہر پہونچ جائیں گے اور چلتے وقت بھی یہ ہی سب نے کہا تھا کہ بیل موٹے اور جوان ہیں یہ پچھڑے دوہری منزل طے کرینگے دِلّی چھٹے روز داخل ہو گی مگر اب اس کمبخت نے کہا کہ "پورے پندرہ روز لگیں گے دِلّی یہاں رکھی ہے اسّی کوس جگہ کیا مُنہ کا نوالہ ہے"! میں نے دیکھا کہ اس کے تیور بگڑ رہے ہیں اور وہ رستہ میں دغا دے تو اچنبا نہیں اس لیے رات تو ہمنے خیر جوں توں ایک گاؤں میں گذاری خورشید اور بچے پڑے سوتے رہے اور میں رات بھر جاگتی رہی۔ گوجر کمبخت بھی رات بھر جاگتا ہی رہا اور جب وہ اُٹھا میں کھنکاری آخر اس نے کہہ ہی دیا "تجھے نیند نہیں آتی" صبح ہوتے ہی میں نے خورشید سے کہا "اُلٹی لوٹ چل یا تو ایک آدھ آدمی ساتھ لے یا گاڑی والا بدل" مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا اور ہم سب پھر شہر کی طرف چلے دوپہر کو کنوئیں کے پاس دم لیا اور دو گھنٹے سستا کر آگے بڑھے رات ہم کو میستا پورے میں ہوئی یہ میئوں کا گاؤں تھا میرا ماتھا نام سُنتے ہی ٹھنکا۔ مگر خورشید کا دِل شیر تھا وہ نہ ڈری اور ہم سب چوپال کے پاس اُترے گوجر ہم کو چھوڑ غائب ہو گیا اور دس بجے رات کے آیا۔ تو بی خورشید اور دونو بچے کھا پی کر سو گئے تھے گوجر نے

سنتے ہی تڑپ اٹھا دوڑ کر آیا اور کلیجہ سے چمٹ گیا ہم دونو اسی طرح چمٹے ہوئے رو رہے تھے کہ ایک شخص چیختا ہوا آیا اور بچّے کا ہاتھ پکڑ کر الگ گھسیٹ لیا ۔

بچّہ کا چھٹنا میرے واسطے قیامت تھی میں نے گھر پہونچکر اپنے چودھری سے سارا واقعہ حرف بہ حرف سُنا دیا وہ بعض دفعہ جب میرے کام سے خوش ہوتا تھا تو رحم سے کام لیتا تھا اور تعریف بھی کرتا تھا اس وقت تو خاموش ہو رہا مگر دو تین روز کے بعد خود ہی کہنے لگا اچھا میں تیرے لڑکے کو ملوا دوں گا میں اس روز سے بلاناغہ دوپہر کے وقت اسی جنگل اور تالاب پر جاتی مگر پھر مجھکو نہ بچّہ ملا نہ وہ ڈھور ملے۔ ایک دن کا ذکر ہے جھٹ پٹا وقت تھا کہ چودھری میرے بڑے کو ساتھ لیکر آیا اور کہا دیکھ میں نے اس سے کہدیا ہے کہ اگر یہ رہنا چاہے ، تو یہاں شوق سے رہ کسی کی پروا نہ کر جلتو نی والے دنگا مچائیں گے تو میں اُنسے سلٹ لوں گا میں یہ سُنتے ہی باغ باغ ہوگئی دونو میاں بیوی کا شکریہ ادا کیا اور مینے سے کہا جہاں آپ نے اتنا احسان کیا ہے اتنا اور کیجئے کہ چھوٹے کو بھی ملوا دیجئے ہم تینوں اِن ڈھوروں کی خدمت پیٹ بھر کر کرینگے مینا یہ سُنکر بہت خوش ہوا اور اپنے لڑکے سے کہا جا پربت نگر سے اس کے چھوٹے کو لے آ۔

میں کس زبان سے خدا کا شکریہ ادا کروں رات کو وہ لڑکا بھی آگیا میں نے اس سے چپکے سے پوچھا ارے خیرن کی بھی کچھ خبر ہے تو وہ کہنے لگا ہاں وہ تو ہمارے ہی گاؤں میں ہے میں اس سے باتیں

اوپلے تھاپتی تھی اس کے بعد ان ڈنگروں کی سانی اور کٹی کرتی جب دوپہر ہو جاتی تو ان کو لیکر جنگل نکل جاتی چلتے وقت گھر والی دو موٹی موٹی روٹیاں مجھے دیدیتی۔ میں جنگل ہی میں مرلیاں توڑکر روٹی کھاتی۔ شام کو چاروں بھینسیں اور تین گائیں لیکر آتی تو پھر ان کے دھندوں میں لگ جاتی اگر کام سے ذرا غفلت کرتی یا کرنے کا ارادہ بھی کرتی تو یہ سناتا "یہ مارے لکڑیوں کے سر پھاڑ ڈالوں گا۔"

کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ جاتی تھی کہ میں اپنے بچوں کی یاد میں آنسو نہ بہاتی ہوں۔ میں نے ایک دفعہ دل کڑا کر کے اس مینے سے پوچھا تو اس نے کہا "تیرے دونو بچے اچھے ہیں۔ بڑا تو ذرا دور ہے مگر چھوٹا پاس ہی کے گاؤں میں ہے اب وہ بھی کام کاج خاصا کرتا ہے۔ میں پچھلی سوموار کو گیا تھا اگر تو کام اچھا کرے گی تو تجھکو اس چھوٹے سے ملوادوں گا" میں اس کے قدموں میں گر پڑی کچھ اسکو مجھپر رحم بھی آگیا اور کہنے لگا اچھا آج دوپہر کو یہ جو سامنے جھنڈ ہے اس کے نیچے پربت نگر میں آجائیو میں بھی وہیں جا رہا ہوں تیرا چھورا بھی وہیں ہے، میں نے اسکو ہزاروں دعائیں دیں اور دوپہر سے پہلے ہی پہونچ گئی تو دیکھا کہ پربت میں وہ بھی ایک چھوٹا سا سرکنڈا لیئے بھینس چرا رہا ہے میری جان میں جان آگئی اسکو کلیجہ سے لگا کر دیر تک روتی رہی آخر بینے کے کہنے سے اسکو چھوڑ اپنے گاؤں آگئی۔

سات مہینے اسی طرح گذر گئے ایک دن کا ذکر ہے کہ میں ندی پر ڈھوروں کو پانی پلا رہی تھی دوسری طرف میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی پانی پلا رہا ہے۔ مجھے اپنے بڑے کا شبہ ہوا آوازیں دیں مگر اس تک نہ پہونچیں تو جانور چھوڑ کر آگے بڑھی پاس پہونچی تو وہ میرا بڑا بچہ ہی تھا اور

کب سے بیٹھا تاک لگا رہا تھا میری آنکھ ادھر ہوتے ہی روٹیوں کی تہی کی تہی لے چلا میں اور خوبن بڑا اور چھوٹا بہتیرا چیخے اور چلائے مگر وہ کمبخت کیا چھوڑنے والا تھا درخت پر چڑھ گیا۔ میں نے سوچا کر چٹیل میدان میں صرف یہ ایک درخت ہے باقی آس پاس کوئی درخت نہیں کب تک نہ اترے گا اور کتنی کھائے گا ہم چاروں نے اسکو پتھر مارنے شروع کیے مگر وہ بھی ایسا چمچڑ ہوکر بیٹھا اور روٹیاں چھاتی سے لگا لیں کہ پتھر پہ پتھر پڑ رہے تھے لیکن روٹی نہ چھوڑتا تھا خوبن کا ایک پتھر کھوپڑی پر ایسا لگا کہ بھنا گیا اور سر سہلانے لگا روٹیاں نیچے گریں تو ہم نے اٹھالیں اور کھاتے بیٹھے دن اسی طرح ہم نے گذارا شام کو تھوڑی سی روٹیاں اور پکالیں اور آگے بڑھے۔

سڑک پر پہونچے تو پربت نگر کی ایک بڑھیا کبڑی چلی جا رہی تھی ہم کو دیکھ کر بہت پھیلی اور کہنے لگی ابھی گاؤں کے لوگوں کو بلا کر تم کو پکڑواتی ہوں مینوں کی چوری کی اور یہاں بھاگ کر آئے ہیں نے جتنی اس کی خوشامد کی نامراد اتنی ہی سر پر چڑھی اور لگی غل مچانے آخر خوبن نے سر کے بال پکڑ کر کہا آواز نکالی تو جان سے مار ڈالوں گی یہ کہہ دونوں ہاتھ خوبن نے پکڑے اور ایک پاؤں بڑے نے اور ایک چھوٹے نے ڈنڈا ڈولی بناکر خوبن اسکو جنگل میں لے چلیں مجھے تو خبر بھی نہ تھی چار پانچ گز گہری ایک کھو یہاں بی خوبن نے دیکھ لی تھی وہاں پہونچکر لگی بڑھیا ہاتھ جوڑنے اور سر جھکانے کہ رحم کرو اور چھوڑ دو میں تو شاید چھوڑ دیتی مگر لڑکے راضی ہوئے نہ خوبن اور تینوں نے ملکر اسی مردود کو پھینک دیا خدا بہتر جانتا ہے کہ چوٹ کہاں کہاں لگی مگر خوبن نے کہدیا تھا کہ اگر رات تک

کر رہی تھی کہ پربت نگر کا نمبردار آن پہونچا اور بگڑ کر کہنے لگا "چھوکرے کا اچار ڈالا ہے" ہمارے چودھری نے کہا ارے دیا کر دونو چھوکرے آئے ہیں کال چلے جائیں گے" بات بڑھ گئی اور اس نے کہا میں ابھی لیکر جاؤنگا ہمارے چودھری کو بھی ضد آگئی اور اس نے قسم کھالی کہ کال بھیجوں گا لیکن بارہ بجے رات کے پربت نگر والے گئے اور یہ کہہ گئے کہ صبح خون خرابے ہونگے ہمارے چودھری نے کہا کہ تو دونو بچوں کو لے راتوں رات بھاگ جا۔ صبح میں جو کچھ ہوگا دیکھ لوں گا میری تو جان میں جان آگئی مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ خوبن مریں ہیں میں نے اسی وقت چھوٹے کو لپکایا کہ جاکر خوبن کو چپکے سے لا۔ بڑی جان جوکھوں کا کام تھا اور میرا ہی دل گردہ تھا کہ میں نے جلتی آگ میں بچہ کو ڈال دیا مگر خدا ساتھ تھا کام بن گیا اور بی خوبن آگئیں اس وقت ہمارے چودھری نے تھوڑا سا آٹا اور پیاز کی گٹھیاں ساتھ کیں اور کہا جاؤ بھاگ جاؤ۔

ایک یا دو بجے ہونگے کہ ہم چاروں وہاں سے نکلے خدا کی قدرت کے قربان جائیے رات چاندنی تھی صبح ہوتے ہم کسی گاؤں میں پہونچے اور لوگوں کی آنکھ بچاکر ایک باغ میں گھس گئے، خوبن نے کہا باغ میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں یہاں لوگ آئیں گے الگ چلی چلو ہم نے کنواں تو بھانپ لیا اور آگے بڑھ کر ایک بڑ کے نیچے ڈیرا جمایا آٹا ہمارے ساتھ تھا پانی ایک تسلے میں بھر لیا تھا چکنے پتھر پر آٹا گوندھا اور دیا سلائی سے آگ سلگاکر موٹے موٹے روٹ ڈالے دوپہرے پہلے ہی پہلے روٹیاں تیار ہوگئیں اور کھانے بیٹھے۔

اب ایک مزے کی بات سنو ایک جگادری بندر خدا معلوم

شہر کی جو کیفیت دیکھی کلیجہ پر گھونسے لگ رہے تھے جدھر نظر جاتی تھی سنسان اور جس چیز کو دیکھتی تھی اُجڑی ہوئی حضور روانہ ہو چکے تھے اس خیال نے تمام اُمیدوں کا خاتمہ کر دیا اور دل زندگی سے سیر ہو گیا مگر جو کچھ گذری خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح گذری۔

یہاں تک بیان کرنے کے بعد شہزادی قمر آرا بیگم کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے انکے آنسوؤں نے شمع جھلملا دی اور پر نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آسمان کروٹ لے رہا تھا اور تارے دامن شب سے جدا ہو رہے تھے۔

بیگم نے اپنے پھولوں کی لپٹ سے مجلس کو مست کیا اور کہا بیویوں شمع جھلملا گئی اور پھول ٹھٹھرا گئے رات ختم ہوئی۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

شہزادیوں کا نالہ ختم ہو چکا اور وہ رات جس نے مدتوں کے بچھڑے ملوائے، کبھی کی رخصت ہوئی، یہ متبرک صورتیں جنہوں نے جہاں آباد اور اس کے حکمراں پر فاتحہ کے پھول چڑھائے، میرے سامنے ایک ایک کرکے اُٹھی ہیں، شاداب پھولوں کا یہ گلدستہ، جس کی خوشبو نے دماغ معطر کیے، دِلّی، اور بہادر شاہ کو یہ رونے والے جن کی آنکھوں نے بیلے میں موتی برسائے، میرے روبرو دفنا ہوئے، میلے کے پڑھنے والے، اس مضمون کو کہانی سمجھیں، یا قصہ، مگر میرے دل سے پوچھو کلیجہ کے ٹکڑے اُڑتے ہیں جب وہ سماں یاد آتا ہے، جس وقت عالم خیال وہ صورتیں سامنے لاتا ہے، اور حافظہ ملنے والی، مورتیں سامنے لا کھڑی کرتا ہے تو دلِ وحشی ٹکریں مارتا ہے، وہ رات جس کے ہر لمحہ میں، صداقت، وانسانیت کے

آواز نکالی تو مارے پتھروں کے بھُرکس کر دونگی۔

اب ہم بھاگم بھاگ چلے اور دم بھر کو کہیں نہ ٹھٹکے صبح ہم کو شاید پانی پت میں ہوئی یہاں پہونچکر ہماری جان میں جان آگئی اور ہم نے جنگل ہی میں بسیرا لیا۔

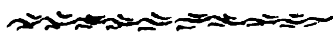
ہم کو یہاں آکر معلوم ہوا کہ اب خدا کے فضل سے شہر میں امی جمی ہے اور یہاں کے نواب نے ایک محلسرا میں دلّی کے بھاگے ہوئے آدمیوں کا یہ انتظام کر دیا ہے کہ وہ دو دو دن رہ کر جہاں جانا ہو چلے جائیں۔ ہم چاروں بندے بھی اس محلسرا میں دو دن رہے کھانے کا انتظام خاصا تھا لنگر کی روٹی جیسی ہوتی ہے ویسی تھی خیر خدا کا شکر ادا کیا اور پیٹ بھرا ہمکو یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں پناہ کا مقدمہ ہو رہا ہے اور نمکحراموں نے زور شور سے حضور کے خلاف گواہیاں دی ہیں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ چار دن کی زندگی کے واسطے کیسے کیسے کمبختوں نے اپنا منہ کالا کیا۔

مقدمہ کی خبر سُنتے ہی ہوش جاتے رہے پر نہ تھے کہ اُڑ کر پہونچ جاتے دوسرے ہی دن ہمکو خبر لگ گئی کہ مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا اور سرکار رنگون بھیجدیے گئے اس خبر کے سُنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور میں نے تو پکا ارادہ کر لیا کہ اب شہر نہ جاؤں گی مگر پردیس میں بھیک کب تک مانگتے اور کیا کرتے۔

پانی پت سے چلکر ہم بھرتپور میں آئے ایک دن اور ایک رات یہاں ٹھیر کر آگے بڑھے تو بی خورشید کو رستہ میں بخار چڑھ آیا ان کے لینے کے دینے پڑ گئے [illegible] تیسرے دن ان کا بخار اُترا تو گھر کا رُخ کیا۔ یہاں پہونچکر

ہوئی اور بادشاہ کی مغفرت کی دُعا ہوئی اسوقت تماشائیوں نے جن میں عورتیں اور مرد دونو شامل تھے گوہر آرا بیگم سے درخواست کی کہ زیادہ انتظار ہمارے واسطے پہاڑ ہوگا۔ حضور کی جدائی نے ہمارے دلوں میں زخم ڈال دیئے ہیں، رات نے ہمارے زخموں کا مداوا کیا اور آپنے ہمارے چکنا چور دلوں پر مرہم کے پھاہے رکھے۔ کل بسنت تھی آج میلہ ہو اور رات کو اسی میدان میں باقی داستان ختم کیجئے۔ کوٹلہ کے جانے میں زحمت ہوگی اور دل کے ارمان دل میں رہ جائیں گے۔ شام پکڑنی مشکل ہے۔ رحم کیجئے اور ایک دن ہو یا دو دن لگاتار رکھیئے"

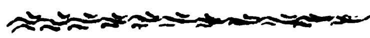
اس درخواست پر سخت اصرار ہوا اور جب یہ طے ہو گیا کہ "میلہ تین روز اور رہے گا تو لوگ خوشی کے مارے اُچھل پڑے اور دکانداروں نے اپنی دوکانوں کا اور میلانیوں نے اپنے ڈیروں کا راستہ لیا +



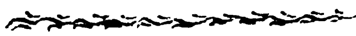
اُجڑا ہوا بیلہ، جہاں ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ تھے، بیوہ کی طرح ایک دفعہ پھر دولہن بنا، جبین عروس پر دن ڈھلتے ہی افشاں چُنی جانے لگی۔ آج بھی بسنت کا ہی زور تھا اور قدرت بھی شہر والوں کے مجروح جذبات کی ہمنوائی کر رہی تھی خود رو پھولوں کی زردی نے میلہ کی شان دوبالا کر دی اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی شمع نے اپنے آنسوؤں میں دلی والوں کو آج پھر دورِ گذشتہ کی تصویر دکھا دی۔

گوہری تمبو کل سے زیادہ آراستہ تھا اور خلقت اس طرح ٹوٹ رہی تھی کہ بیٹھنے کو جگہ بھی نہ تھی کھڑے ہونے کو مجبوراً چان بنایا گیا اور تخت پر گوہر آرا بیگم غدر کی ماری شہزادیوں کو ساتھ لیکر بیٹھیں۔

خزانے دفن تھے، اپنے ساتھ بہت کچھ نہیں سب کچھ لے گئی، جہاں آباد اپنی رونق اور چہل پہل وداع کر چکا۔ جن گھروں سے محبت و ایثار کے چشمے پھوٹے، جن دہلیزوں سے حقانیت کے ڈنکے بجائے آج سنسان و خاموش ہیں، اور جن محلوں کی سرزمین سے، ورس وفا کی آندھیاں اٹھی ہیں، وہاں اس وقت خاک اڑ رہی ہے۔



شہر کی بہت سی عمارتوں کے آثار کھنڈر بنے ہوئے ابھی تک نقشِ پا کا پتہ دے رہے ہیں مگر پھول والی بیگم کی صدا "لپٹیں آرہی ہیں موتیا کی" جو جہاں آباد کی فضا میں گونجی ہے اور جو اس رات کی شمع اور اس بزم کی عروس تھی مدتیں ہوئیں فنا ہو چکی۔ مگر اس کی لہک اب بھی میرے کانوں میں بس رہی ہے اور جب کبھی فراشخانہ کے سامنے سے گزرتا ہوں تو آنکھیں اس ٹیلے کو ڈھونڈھتی ہیں جہاں سے یہ صدا بلند ہوتی تھی اور چھیبوں کے پھول خاندان تیموریہ کی بدبخت بیگمات کے انقلاب کی داستان سناتے تھے۔



جس وقت زمین اور آسمان خاموش آنسوؤں میں رات کو وداع کر رہے تھے اس وقت کا دردانگیز منظر انسانی نظر بہت کم دیکھے گی۔ شمع کی روشنی اور تاروں کا اجالا دونوں پھیکے پڑے، دنیا اپنے چہرے سے رات کا برقع سرکا رہی تھی آسمان کی سیاہی آہستہ آہستہ سپیدۂ صبح میں جذب ہوئی اور تیموری بیگمات کا یہ دستہ بادِ سحر کے جھونکوں سے کھلنے کے بجائے منتشر ہوا۔ جب صحبتِ شب کی یادگار مرے ہوئے پان مرجھائے ہوئے پھول، بکھری ہوئی چھالیہ اور فرش کی سلوٹیں باقی رہ گئیں تو ایک متفقہ صدا بلند

اس نامراد کافر نے جو ستم توڑے ہیں فرعون اور نمرود نے بھی نہ توڑے ہونگے اس ناہنجار نے سینکڑوں بیگناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا میرے شوہر سے اسکو سدا کی لاگ ڈانٹ تھی اسی نے جھوٹی مخبری کی اور بیمار کو پکڑوا دیا، اس اندھیر کو دیکھو کہ گٹھیا کا بیمار جو چلنا پھرنا تو درکنار کھڑا تک نہیں ہو سکتا کیا لڑے گا اور کیا مارے گا مگر اندھیر نگری اور چوپٹ راج تھا شاباش ہے ان عقلوں پر جنھوں نے یقین کیا اور پھانسی کا حکم دیدیا مرزا بیچارے نے لاکھوں قسمیں کھائیں اور بہتیرا ہی کہا "میری تو دونوں ٹانگیں رہی ہوئی ہیں" مگر کسی نے نہ سُنی۔ نیاز و کمبخت کی خدائی تھی جسکو چاہا پستو اور کھٹمل کی طرح دم بھر میں مسل دیا، اس مردے کی صورت دیکھتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے تھے کہ دیکھے جوانا مرگ کس کی سُناؤنی لاتا ہے کہ اس نے چکنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا مرزا جی جارہے ہیں ملنا ہے تو مل لو اور چار پانچ گھنٹے کے مہمان ہیں اما جان اندر بیٹھی ختم پڑھ رہی تھیں سُنتے ہی دہم ہو گئیں اور باہر نکل کر کہا "الٰہی مردے نیازو تجھے ڈائی گھڑی کی۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے تو بچے غریبوں کا صبر خالی جائے یہ ہونا نہیں خدا اور اسکا رسول چاہے تو تن بدن میں کوڑھ ٹپکے گی اور رنجہ رنجہ کر مرے گا۔

وہ ناشاد تو چکنا گھڑا تھا سینکڑوں گھر اُجڑوائے مرزا بیچارے کس گنتی میں تھے یہ کہہ سیدھا ہو لیا کہ "کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے" اور ہماری آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہو گئی ان دنوں پھانسیاں دو جگہ ہوتی تھیں کوتوالی چبوترے پر اور جمنا کی ریتی میں۔ ہم دو نو ساس بہوئیں پہلے کوتوالی گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ شام کو پانچ بجے دریا پر باڑ ماری جائے گی یہاں سے اُدھر گئے تو سینکڑوں بدنصیبیں کھڑی اور بیٹھی کلیجوں پر گھونسے مار رہی تھیں مگر میرا

جلسہ عشا کے بعد شروع ہو گیا سب سے پہلے پھول والی بیگم نے اپنے چھبے کھولے موتیا کی بھینی بھینی خوشبو نے دماغ معطر کر دیئے اور تمبو میں یہ صدا گونجی۔

"پٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

پیسہ پیسہ اور دو دو پیسے کے پھول بکنے شروع ہوئے ادھر گاہکوں کی آواز تھی کہ "ایک پیسہ کے اور" "دو پیسہ کے اور" اُدھر بیگم ہانک رہی تھی۔

"کٹورا سے پھول موتیا کے" "موتیا ہے گجراتی"

چوڑی دار دو چھبے آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گئے تو گوہر آرا بیگم نے کہا "بس بوا بیگم اب ایک چھبیا رہنے دو دیر ہو رہی ہے" شمع گھومنی شروع ہوئی کچھ پڑھنے پڑھانے کو نہیں بلکہ مقرر کی صورت دکھانے کو سب سے پہلے گوہر آرا نے اپنے ہاتھ سے شمع قیصر جہاں بیگم کے سامنے رکھی اور کہا "ہاں بیگم اپنی بپتا سنائیے۔ لوگ مشتاق ہیں" قیصر جہاں بیگم نے پان کھایا اور مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

(۴) شہزادی قیصر جہاں بیگم کی آپ بیتی

دلی والوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرو "الٰہی جہاں پناہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو" دعا ہو چکی تو قیصر جہاں بیگم نے کہا۔

"نیاز علی مخبر جسکا دور دورہ تھا اور سچ پوچھو تو موت کی کل جس کے ہاتھ میں تھی میرے شوہر مرزا سکندر کی پھانسی کا حکم مجھکو دوپہر ہی کو سنا چکا تھا۔

کانپنے لگا۔ آگے بڑھ کر میں نے اس کے پٹھے پکڑ لیئے اور کہا "موئے پاجی تیری
یہ ہستی کہ اس منہ سے نکاح کا نام لے" مگر کجا میں عورت اور کجا وہ مرد جھٹکا دے
ہنستا ہوا سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اسی میں خیر ہے نہیں تو دو دو دانوں کو
ترسوگی ادب ودب کو پھونکدو اور آج ہی نکاح کرلو" میرے بدن میں آگ
لگ رہی تھی اور وہ ناشاد ہنستے جا رہا تھا ایک کی ہزار سنائیں مگر اللہ رے
بے غیرتی تو سو کی بندی کے ڈنڈا پر لکھی۔ جوانا مرگ پر اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ شام
ہو چلی تھی کہنے لگا اس جنگل میں کوئی شیر بھیڑیا یا دیکھا جائے گا کب تک
بیٹھو گی کیا کھاؤ گی اور کہاں سوؤ گی۔ میں کیا بتاؤں کہ کیا گذر رہی تھی جی چاہتا تھا
موئے کو کچا کھا جاؤں آگے بڑھ کر پھر پکڑا اور ایک دو ہتڑ پورے زور سے مارا
مگر اس ناشاد پر کیا اثر ہوتا میں اسکو کوس رہی تھی کہ پیچھے سے کسی نے آکر کولی
بھرلی ہاتھ اس نے پکڑے اور پاؤں کمبخت نیازو نے اور مجھکو ڈنڈا ڈولی کرکے
چلے خدا ہی جانتا ہے آدھی تھی یا پچھلا یہ دونو ملعون مجھکو ایک ٹوٹے ہوئے
برج میں لائے اور نیازو نے چاقو نکال کر کہا "اگر آواز نکالی تو جان سے
مار ڈالوں گا"

اب اور مصیبت یہ آئی کہ سپاہی موا تو قاضی بنا اور نیازو مُردا دولہا
قاضی جی ہندو تھے جنکو ایک حرف خطبہ نہ آتا تھا انہوں نے نکاح پڑھایا مجھپہ
جو بپتا پڑی خدا دشمن پہ نہ ڈالے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں جی چاہتا تھا کہ ان
نابکاروں کو ایسی جگہ ماروں جہاں پانی تک نصیب نہ ہو مگر اب تو میں خود ہی
مر رہی تھی۔ مجھے اس وقت وہ سماں یاد آرہا تھا۔ جب بڑے سنے کے
پیدا ہونے پر جہاں پناہ نے خود عقیقہ کیا تھا۔ چھٹی کے روز گجردم تمام حمام
رکھا اور میں ہوائی محل میں جہاں پناہ کے ہاں پہنچ گئی دن بھر کی چہل پہل

مار مار شام پکڑی عصر کے بعد بے قصوروں کا ٹانڈا آیا مرزا کو دیکھ کر اماں جان نے
ایک چیخ ماری اور چاروں طرف کہرام مچ گیا ایک فرنگی نے آکر سب کو قطار میں
کھڑا کیا اور سپاہیوں نے بندوقیں چھوڑ دیں۔ بیچارے اللہ مارے تڑپ
تڑپ کر چلتے ہوئے اور جہاں پناہ کا فرمانا صحیح ہوگیا۔

"نہ کفن ملا نہ وہ دفن ہوئے۔ نہ ہے فاتحہ نہ مزار ہے"

اماں جان مرزا کے گرتے ہی پلکیں وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ گولی کنپٹی میں لگی تھی
اور خون بہہ رہا تہا۔ انہوں نے سر اُٹھا کر گود میں لیا اور پیار کرنے لگیں کہ اسی
... ے نیازو نے لاش چھین لی اور دھکا دیکر کہا "بڑھیا آگے بڑھ" لاشیں
بھنگیوں اور چماروں نے اُٹھا کر دریا میں پھینکدیں اور ہم سب جادھر جس کا
منہ اٹھا روتے پیٹتے چلے گئے۔ اماں جان بارہ مہینے کی بیمار تہیں اور جب سے
... مرزا کو گھٹیا ہوئی تہی دن دن بھر اور رات رات بھر وہاں روتی تہیں۔
عمر بھر کی کمائی یہ ہی ایک دم تہا سنبھل نہ سکیں۔ میں انکو لیے ایک درخت کے
نیچے بیٹھی تہی کہ انکو زور کی کہانسی اُٹھی اور کہانسی کے ساتھ ہی سانس اُکھڑ گیا
اور اُنہوں نے پانی مانگا۔ وہاں پانی کہاں میں دریا کی طرف دوڑی چلو میں
پانی لائی مگر وہ میرے پہونچنے سے پہلے ہی اللہ کی پیاری ہو چکی تھیں۔
میرا کلیجہ مُنہ کو آرہا تہا اور اکیلی بیٹھی انکی صورت دیکھ رہی تھی کہ نیازو
دے نے پیچھے سے آکر کہا "ارے بڑھیا بھی لٹک گئی" اس کے ساتھ ایک
سپاہی تہا دونوں نے مردے کو لیجا کر دریا میں پھینک دیا۔ میرے وہم و گمان
میں بھی نہ تہا کہ یہ نمک حرام نیازو جو نانا جان کا غلام تہا طوطے کی طرح دیدے بدل
اپنی ہستی بھول جائے گا رو رہی تھی کہ وہ ہنستا ہوا آیا اور کہا "اب تم مجھ سے
نکاح کرلو" میرے سر سے جو لگی تو تلووں سے نکل گئی بدن بیری کی طرح تھر تھر

ہوں دو گھونٹ پانی تو لاؤ" اتنا سنتے ہی اس ناشدنی کی تو جان میں جان آگئی وہ پانی کو گیا اور میں برج سے باہر نکل ایک طرف کو ہولی مجھے خبر نہیں کہ کہاں ہوں اور کدھر جا رہی ہوں صبح ہوئی تو ایک پلیا کے اندر گھسی اور دن وہیں ٹیر کیا۔ کربلا کا مزا آگیا۔ دانہ نہ پانی دن بھی قیامت کا تھا کہ ختم ہی نہ ہوا خدا خدا کرکے شام ہوئی تو پھر جنگل کا رستہ لیا اور رات بھر بھاگتی رہی صبح ہوتے دکھنی پورے میں پہونچی اب مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہ تھی خدا کی قدرت کے قربان جایئے ایک بڈھا مسلمان روٹیاں اور گڑ بانٹ رہا تھا اس نے مجھکو دو روٹیاں اور گڑ کی ڈلی دی مجھے تو وہ امرت تھی ہاتھوں ہاتھ لی اور ایسی گری کہ دم بھر میں دو نور روٹیاں چٹ کیں اسکا بچہ بیمار تھا مجھکو بھوکا دیکھ کر دو اور دیں وہ کہا کر خدا کا شکر کیا اور اس سے کہا" بابا تھوڑا سا پانی بھی پلوا دو" وہ اپنے ساتھ لے گیا اور پانی پلوا کر کہا یہ بچہ بیمار ہے اس کے واسطے دعا کر۔ اسے مولا نثار جاؤں مجھ ناچیز بندی کی دعا کیا مگر اس نے ایسی سنی کہ بچہ رات ہی کو اٹھ بیٹھا اب تو میری وہ آؤ بھگت ہوئی کہ کیا کہوں سارا گھر پوجنے لگا۔ جانے کا نام لیتی جب ہی بڈھا اور اس کی بیوی روتے، بچے بھی مجھ سے ایسے ہلے کہ دم بھر کو پیچھا نہ چھوڑتے اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میرا بھی دل لگ گیا۔ جب حضور کے رنگون جانے کی خبر سنی تو میری ہچکی بندھ گئی اور آنے کا ارادہ کیا۔ بڈھے نے مجھے خود یہاں تک پہونچایا یہاں آکر سنا کہ اس نامراد نیاز و کی کٹیا کٹ رہی ہے اور پیٹھ میں اڈٹ نکلا ہے میں بھی اس کے ہاں گئی ناہنجار کی ایک چیخ آسمان تھی اور ایک زمین شاید دس گیارہ روز اس طرح تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

وہ وقت گذر گیا اور یہ وقت بھی گذر جائے گا مگر اب بھی جب کبھی

مردوں اور عورتوں کا غل غپاڑہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی شام کو حضور عالم نے آکر فرمایا۔

"زچہ کو تارے دکھاؤ"

میرے اور ننھے کے ہاتھ پر کارچوبی پٹیاں جو اماں جان نے بھیجی تھیں باندھی گئیں یہ پٹیاں میری بڑی نند نے خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے باندھی تھیں ان کو سات اشرفیاں نیگ کی ملیں۔ دولہا میاں کو بلا کر چھپر کھٹ میں بٹھایا اور تیر کمان انکے ہاتھ میں دی کہ "لو میاں مرگ مارو" مرزا صاحب نے ایک خالی تیر چھپر کھٹ کی چھتری پر چھوڑ دیا اور میں سب کے کہنے سے تین لاتیں چھپر کھٹ کو مار کر کھڑی ہوئی اور باہر آکر آسمان کو دیکھا دائی نے اسوقت آٹے کی چار چومکھی بنائیں ایک بڑی سی تھالی پر گندھا ہوا آٹا رکھ کر اس میں چار جگہ موم بتی رکھی اور بچہ کو میری گود میں دیا دو عورتوں نے شمع لی ایک نے قرآن مجید کا سایہ کیا اور دو نے تلواروں کا کہ بچہ جن بھوت ہر بلا سے محفوظ رہے۔ میں تارے دیکھ رہی تھی۔ بیویاں رال اُڑا رہی تھیں اور میراسنیں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ اتفاق سے اُس روز ایک انگریز قلعہ میں آیا تھا وہ بھی یہاں پناہ کا مہمان ہوا اور سرکار کی اجازت سے اس نے اس وقت کی تصویر اُتاری ایک تصویر سرکار نے مجھکو بھی دی تھی اور وہ ابتک میرے پاس موجود ہے۔ میری نظروں میں اسوقت وہ سماں پھر رہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ دونوں بدمعاشوں کو زمین میں زندہ گاڑ دوں۔ خیر یہ بات سمجھ میں آئی کہ نرمی اور دھوکے سے کام لوں۔ تقدیر سے سپاہی بھاگوان ایسا بے خبر ہوا کہ خراٹوں کی آواز برج سے باہر جانے لگی۔ میں نے نیازو سے کہا کہ "جو ہونا تھا وہ ہوگیا اب خدا انجام بہ خیر کرے پیاس کے مارے مر رہی

میں کٹ جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور کی مغفرت کے لئے ہاتھ اُٹھاؤ“

برجیس دولہن کی زبان سے ادھر حضور کا نام نکلا ادھر آنکھ سے آنسو نکلے اور ان کے ساتھ ہی مجمع پر رقت طاری ہوگئی عورتیں اور مرد سب اپنے بادشاہ کی یاد میں رو رہے تھے۔



جب دُعا ختم ہو چکی تو گوہر آرا بیگم کے تقاضے پر برجیس دولہن نے کہا:-

”جب گولیوں کی باڑ اور پھانسیوں کی قطار کا زور ہو رہا تھا تو میں بدنصیب شہر ہی میں تھی۔ ننھے دولھا کو موتیا جھرا نکل رہا تھا۔ گھر میں صرف ہم دو میاں بیوی ہی تھے اور کوئی آشنا نہ تھا کہ دوائی ٹھنڈائی تو درکنار۔ دو گھونٹ پانی ہی کے لادے۔ پکڑا دھکڑی کا یہ عالم کہ جو باہر نکلا پھر نہ پلٹا۔ صبح کو گیا تو دوپہر کو اور دوپہر کو نکلا تو شام کو پھانسی کی خبر آگئی۔ ہماری گلی میں کھاری پانی کا کنواں تھا رات کو میں چپکے سے جاتی اور دو بدھنے بھر لاتی خدا بھلا کرے بیچارے احمد عطار کا کہ اس نے مجھکو خاکسیر اور عناب کے شربت کی ایک بوتل دیدی تھی۔ دونوں وقت بیمار کو وہی پلا دیتی دوسرے تیسرے وقت خالہ کبڑے کچھ چنے دے دیتیں۔ وہی کھا کر پانی پی لیتی۔ مہینہ سوا مہینہ اسی طرح کیا مگر ننھے دولھا کا بخار نہ اُترا۔ صبح کو ہلکا ہو جاتا مگر دوپہر سے پہلے اور چڑھتا ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں مزاج ایسا چڑچڑا ہو گیا تھا کہ بات بات پر بگڑتے تھے۔ میرا محلہ خانم کے بازار سے ملا ہوا تھا۔ اور ابھی تک اللہ کا فضل تھا کہ حکیم باورے کے داماد نے ایک دن

اس برج والے نکاح کا خیال آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ نیاز و مردسے کی بوٹیاں چبالوں۔

قیصر جہاں بیگم کی داستان ختم ہوئی تو آدھی رات ختم ہو چکی تھی نیاز و مخبر پر چاروں طرف سے لعنت کے نعرے پڑنے لگے آخر گوہر آرا بیگم نے کہا "بیویوں وہ مر گیا اب اس کو بُرا کہنے سے کیا فائدہ اس نے جیسی کی بھگت رہا ہوگا۔"

جب مجمع خاموش ہو گیا تو پھر وہی صدا گونجی "ولپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی" بیگم کی سُریلی آواز نے دلوں کی کلفت زائل کر دی ادھر پھولوں کی مہک، ادھر تیموری بُلبُل کا نغمہ، آدھی رات کا وقت، سناٹے کے عالم میں دلوں کی عجیب کیفیت ہو گئی صاحبِ بزم یعنی گوہر آرا بیگم نے اپنی چچا زاد بہن برجیس دولہن کے سامنے شمع رکھی اور کہا۔

"بیگم اب مجلس آپ کی داستان سُننے کی مشتاق ہے آپ جہاں پناہ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں اور حضور اپنی آنکھ سے دم بھر کو اوجھل نہ فرماتے تھے۔ آپ اپنی بپتا سُنائیے۔"

(۵) شہزادی برجیس دولھن کی آپ بیتی

برجیس دولہن نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا "بیویوں حضور ہم سے جدا ہو گئے اور سات سمندر پار دُنیا سے رخصت ہوئے ہم کو اُن کا آخری دیدار نصیب نہ ہوا زندگی کے جو تھوڑے دن باقی ہیں وہ اِسی حسرت

بان میں جان آگئی اور اس بُری طرح ٹوٹے کہ کنگلوں کو بھی مات کیا۔
رات ہم نے وہیں گذاری اور صبح ہم پانچوں آگے بڑھے۔
دوپہر تک تو ہم راستہ پر چلے۔ بیمار کی وجہ سے آگے نہ چلا گیا۔
باری باری کرکے تھوڑی تھوڑی دور سب لیجا رہے تھے۔ دھوپ
تیز ہوگئی تو ہمارے تھکنے سے پہلے ہی بیمار کی حالت ردی ہوگئی آنکھیں
بند ہوگئیں اور سانس نام کو رہ گیا۔ خالہ کبری نے دیکھ کر کہا "ارے خدا کے
لئے ٹھیرو ذرا ننھے دولہا کو تو دیکھو کیا ہو رہا ہے۔" میں آگے تھی ایسا
معلوم ہوا کہ کسی نے کلیجہ میں گھونسا مارا۔ جان نکل گئی۔ ٹھٹکی تو کیا دیکھتی
ہوں کہ منکا تک ڈھل گیا ہے۔ کیکر کے کمبخت درخت کے نیچے جہاں
کانٹے ہی کانٹے پڑے تھے ٹھیرے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے زمین
صاف کی اکلوتا لٹایا۔ دوپٹوں سے پنکھے جھلے تو خالہ نے کہا کہ پھیپھڑیاں
بند ہی ہوتی ہیں۔ دو گھونٹ پانی کے ہوں تو حلق تر ہو جائے۔ شاید آنکھ
کھولیں۔ مگر وہاں پانی کہاں۔ میں تو خدا کی قدرت کی اس دن ایسی قائل
ہوئی کہ عمر بھر یاد رکھوں گی۔ رو رو کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ سامنے
سے دو گورے کندھوں پر بندوق رکھے آتے دکھائی دئے ہم سب کی
روح فنا ہوگئی۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ ہم نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور
کلمہ درود پڑھنے لگے کہ اب یہ گولی مار دیں گے۔ وضو بھی نصیب نہ ہوا۔
چھپنے کی کہیں جگہ نہیں بچنے کا موقعہ نہیں۔ کھڑے کانپ رہے تھے کہ
گورے سر پر آپہونچے اور پوچھا۔ ہیرن ہیرن [illegible] آیا ہیرن آیا [illegible] آیا۔
خالہ کبرا نے ہمت کی اور کہا " نہیں صاحب [illegible] نہیں [illegible] بچہ [illegible]
انہوں نے بچہ کو دیکھا [illegible] پانی کی پیاس [illegible] پانی [illegible]

نشہ میں کسی گورے کی ٹوپی اُچھالی اور اس کی بہم کو پکڑ لیا۔ اب کیا تھا شام تک تو چاروں طرف گورے ہی گورے تھے۔ گھروں میں گھس گھس کر مردوں کو پکڑا اور مارا لیکن آدھی رات کو جاکر امی جمی ہوئی۔ میں کنڈی لگائے جا نماز پر بیٹھی اللہ اللہ کر رہی تھی اور ست ہی ست پر جان تھی۔ پچھلا پہر ہوگا کہ خالہ کبریٰ نے آواز دی۔ مَیں نے دروازہ کھولا وہ اندر آئیں اور کہا "جس طرح ہو ابھی یہاں سے بھاگو صبح کو سارا محلہ توپ سے اُڑے گا۔"

مَیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور کہا "بھلا خالہ میں کس طرح بھاگ سکتی ہوں ننھے دولہا کو کیونکر لوں۔ یہ نہ چل سکتے ہیں نہ اُٹھ سکتے ہیں ان میں رکھا ہی کیا ہے ہڈیاں ہی رہ گئی ہیں۔" وہ بولیں "دیر کا موقعہ نہیں جس طرح ہو اُٹھاؤ" سب پکڑ کرے چلیں گے میں تو جانوں تین بجے ہونگے کہ ہم سب بھرا گھر چھوڑ چھاڑ شہر سے نکلے۔ بیمار کو ڈنڈا ڈولی کیا اور ایک طرف کو چلے۔ صبح ہم کو نظام الدین میں ہوئی مگر ہم آگے بڑھے گئے۔ دن بھر کیا گذری رستہ کس طرح کٹا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کھیل کا دانہ بھی اُڑ کر منہ میں نہ گیا پیاس کے مارے جان نکلی جاتی تھی مگر پانی کا پتہ نہ تھا کنوئیں تھے مگر رسّی تھی نہ ڈول۔ شام کو خواجہ صاحب کے قریب ہم کاکا گایوں میں پہنچے پنہاریاں ایک کنوئیں میں پانی بھر رہی تھیں وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور بیمار کو بھی پلایا۔ چاند نکل آیا تھا اور ہم بڑ کے نیچے پڑے تھے کہ جاٹ آئے اور دونوں مردوں کو پکڑ کرلے گئے میں اور خالہ کبریٰ رہ گئے۔ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ اتنے میں دونوں مرد خالہ کے میاں اور لڑکا خوش خوش آئے خشکے کا بھرا ہوا تھال شکر اور دہی پڑا ہوا ان کے پاس تھا دیکھ کر

میرے بیمار سنے دولہا جن کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ بچنے کی اُمید کیا گھڑی ساعت پر تھے۔ بغیر دوائی ٹھنڈائی کے ا بسے اچھے ہوئے کہ اچنبا ہو گیا۔ بخار اُتر گیا اور جنگل کی ہوا اور پانی نے وہ طاقت دی کہ سب دنگ رہ گئے۔

بیچارے امرو نے ہمارے واسطے نہر کے کنارے ایک جھونپڑی ڈالدی۔ وہ دونوں ماں بیٹے بھی وہیں آ گئے۔ یہاں چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ کوئی سات آٹھ نیم کے درخت تھے اور دو تین املی اور جامن کے۔ ہم یہاں خوش تھے۔ مگر ایک بات کا مجھ پر بڑا بوجھ تھا۔ کہ اس غریب سے رشتہ نہ ناتا۔ مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔ خالہ نے ایک دن اس سے کہا کہ تم مجھکو تھوڑا ریشم اور ایک کرتہ کی ململ لا دو۔ وہ جا کر لے آیا تو انہوں نے تین چار ہی دن میں ایسا کاڑھا کہ وہ تو وہ جس نے دیکھا وہی تعریف کرنے لگا۔ اب تو یہ کیفیت ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ آنے لگے اور ہماری کڑھائی کی دُور دُور خبر پہونچ گئی امرو نے خرچ لینے سے انکار کر دیا تو ہم نے یہ ترکیب کی کہ اس کا کپڑا مفت کاڑھ دیتے تھے اور وہ اسکو بیچکر لاتا تو دام نہ لیتے اس طرح اس کا خرچ بھی پُورا ہوتا اور ہمارا بھی۔

اب ہماری گذران خوب ہونے لگی۔ معلوم ہوا کہ شہر یہاں سے بیس اکیس کوس ہے اور امی جی بھی ہو گئی ہے۔ مگر دل کچھ ایسے مر گئے تھے کہ بلنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ دم دم کی خبریں آتے جاتوں سے معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ جس کو پوچھا یہ ہی پتہ چلا کہ پھانسی ہو گئی یا بھاگ گیا۔ چچا حشمت میں جان بڑی تھی کئی آدمیوں سے کہا کہ انکی خبر لاؤ۔ مگر کسی کو کھوج ہی نہیں ملا۔ آخر ایک دن نھنے دولہا ہی دل کڑا کر کے پہونچے انگلوں کی گاڑیاں شہر جا رہی تھیں اور

ہم لرزتے رہے۔ اور دونوں گڈرے پانی دے چلتے ہوئے۔ ہم نے
جس طرح ہوا۔ چلو میں پانی لیکر بیمار کے حلق میں ٹپکایا۔ اور اس نے ذرا
آنکھ کھولی تو جان میں جان آگئی۔ خدا اپنی قدرت کے کیا تماشے دکھاتا
ہے۔ ملک الموت کو رحمت کا فرشتہ بنا دیا۔ بھوک کے مارے ہم بلبلا
رہے تھے کہ ہمارے سامنے ایک زخمی ہرن لنگڑاتا ہوا آیا اور گر پڑا۔
خالہ نے اسے پکڑ لیا تو سامنے سے ایک گڈریا بکریاں چراتا آیا اور کہنے لگا
"یہ زخمی ہے۔ مر جائے گا۔ لاؤ ذبح کر دوں۔" ہم نے کہا "تو مسلمان ہے"
اس نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے کہا "بسم اللہ" اس نے چاقو نکال کر ذبح کیا۔
ہم کو خبر تھی نہیں۔ سامنے ہی گاؤں تھا۔ بھاگا ہوا گیا اور سب چیزیں
لے آیا۔ اسی نے کھال اتاری۔ اسی نے آگ جلائی۔ اسی نے ہنڈیا دی
وہ ہمارا مہمان ہوا اور ہم اس کے مہمان ہوئے سب نے ملکر خوب کھایا
اور خدا کا شکر ادا کیا۔ گڈریے کا یہ لڑکا اٹھارہ بیس برس کا ہوگا۔ گاؤں
کا رہنے والا جس کو شہر کی آب و ہوا چھو تک نہ گئی۔ کیسا نیک اور شریف
قلعہ کے ایک لڑکے کو یہ بات نصیب نہ تھی۔ ہم کھا چکے تو چار گھڑی دن باقی
تھا۔ ارادہ کیا کہ آگے بڑھیں۔ مگر اس نے نہ جانے دیا۔ مجھے اس کے بھولپن
پر بہت ہنسی آئی کہنے لگا "میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ ہم وہاں بیٹھے اس میں
رہتے ہیں۔ تم لوگ رات کو مزے سے سوؤ میں بھی رہونگا" شام کو وہ اپنا
اں کو بھی لے آیا۔ اور دو گھڑے پانی بھی بھر دیئے ایسی محبت کے لوگ
دنیا نے تو عمر بھر نہیں دیکھے۔ جب ہم جانے کا نام لیتے دولڑکا منہ بنا
کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ کہیں اور جاؤ گے خدا کی دنیا بہت ہے یہیں رہو اور کچھ
اللہ سب مشکل آسان کرے گا۔

کسک اب تک دل میں موجود ہے زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھیں
اور ماتم کیئے مگر بیلہ میں جو میلہ دیکھ لیا اب وہ سماں نظر نہ آئے گا۔ بدبخت
شہزادیوں کی صدا سفید ڈاڑھیوں پر آنسوؤں کے موتی لٹا اور خانماں برباد
بیبیوں کی داستان جوانوں کے کلیجے توڑ رہی تھی جس طرح موسم برسات
میں پورواہوا کے ساتھ جسم کی پرانی چوٹیں ابھرتی ہیں اسی طرح جب کبھی
بیلے میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ رات اور وہ صورتیں آنکھ کے سامنے
آجاتی ہیں مگر بیلے والے خوش نصیب تھے کہ اپنے ساتھ بیلے کو بھی لے گئے
اور آج اس کے کھنڈر درختوں اور جھاڑیوں کا جن کے دامن شہر آبادی کی
تاریخ سے الامال تھے ایک ذرہ بھی موجود نہیں جو صحبت شب کا نشان دے
اور حق یہ ہے کہ مکین و مکان سب فنا ہوگئے اور مجھے تو اب کوئی صورت
بھی ایسی نظر نہیں آتی جس نے اس بزم کی شمع جھلملاتی دیکھی ہو۔

بیلے میں بیلے کی آخری یادگار پھول والی بیگم اس کے بعد بیس سال
کے قریب زندہ رہی۔ کمر جھک گئی تھی اور دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ مگر
بڑیوں کے کٹڑہ میں جن دو کانوں کے پاس شاید اب ڈاک خانہ ہے اسکی
آوازنے رات کے سناٹے میں مدتوں کہرام مچایا ہے میں اور میرے عزیز
دوست شہزادہ مرزا محمد اشرف صاحب بی اے گورگانی بیگم کے مرض الموت
میں عیادت کو گئے تھے کہ شاہان مغلیہ کی اس جیتی جاگتی تصویر کو آخری مرتبہ
جی بھر کر دیکھ لیں۔ اس رات کے ذکر پر بیگم کے آنسو نکل پڑے آج بیگم اور
مرزا دونوں شاہجہاں آباد سے کیا اس دنیا سے رخصت ہو چکے مگر بیگم کی زندگی
اب بھی جب بیلے میں جاتا ہوں وہ اجڑا ہوا سماں سامنے لاکھڑا کرتی ہے۔
پھولوں کی مہک نے اور بیگم کی اپکارنے کہ

ان کا چودھری امرو کا پھوپا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہولیا اور دو بجے سے یہ لوگ روانہ ہو گئے کہ نو دس بجے تک ڈنڈی پر پہونچ جائیں گے۔ اور سویرے ہی سویرے پہنچ گھوڑی بارہ ایک بجے چل کھڑے ہو گئے رات کو کہیں گیارہ بجے گاڑیاں لوٹیں تو تھے دولہا نے کہا کہ شہر تو آدھے سے زیادہ کھد گیا۔ گھروں کا پتہ ہے نہ گھر والوں کا۔ چچا حشمت کا گھر تو باقی ہے مگر ان کا پتہ نہیں۔ برابر میں ایک روئی والا رہتا ہے اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بال بچوں کو لیکر کہیں نکل گئے۔ اب تک کوئی خبر نہیں کہ جیتے ہیں یا مر گئے۔ ہاں ایک مخبر نے یہ بھی کہا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کو تو پھانسی ہو گئی۔ سنو تو میری گردبوں کا کھیل ہوا تھا۔ سنتے ہی جان نکل گئی۔ روتے روتے ہچکی بند ہو گئی۔ شہر جانے کا اول تو ارادہ ہی نہ تھا۔ اور اگر تھوڑا بہت خیال کبھی بھولے بسرے آ بھی جاتا تھا تو اب بالکل ہی نفرت ہو گئی۔

بر جیس دولہن اپنی داستان یہاں تک پہنچا کر پان کھانے کے واسطے اٹھیں تو گوہری تمبو میں بیگم کی وہی صدا پھر گونجی۔

"پیٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

اتنا کہہ کر بیگم نے چھیبوں سے کپڑے اٹھائے تو تمبو خوشبو سے مہک اٹھا گوہر آرا بیگم نے کہا پہلے درود پڑھو اور پھر حضور کی مغفرت کے واسطے دعا کرو۔

اس وقت تین بج چکے تھے اور چاند خواتین مغلیہ کی بربادی کا ماتم کرتا ہوا بساط فلک سے لپٹ لپٹ کر وداع ہو رہا تھا میری آنکھوں نے اس کے بعد بڑی بڑی مجلسیں دیکھیں اور کانوں نے اچھی اچھی تقریریں سنیں مگر برجیس دلہن کا نالہ سرزمین شاہجہاں آباد اس درد سے گونجا کہ اس کی

ٹھیک تعداد تو یاد نہیں مگر پھولوں کے چھبیے پندرہ بیس سے کم نہ ہونگے وہ آج کل کے دن نہ تھے کہ ہر چیز پر آگ پڑ رہی ہے پیسے پیسے کی ڈھیریاں الگ لگی ہوئی تھیں دو گھنٹہ میں دو کے سوا سب چھبیے خالی ہو گئے تو بیگم کی آواز پھر گونجی۔

پٹیں آ رہی ہیں موتیا کی

گوہر آرا بیگم نے مسکرا کر کہا بس بیگم اب بیان شروع کرو اور یہ تبرک رکھ لو اتنا سنتے ہی بیگم نے چھبیے ڈھانک دیے۔ برجیس دلہن آکر بیٹھیں اور کہا۔

"میں کل تو یہ کہہ چکی ہوں کہ حسنو میاں کی پھانسی کی خبر سے میرا دل زندگی سے بیزار ہو گیا۔ اس بچہ کو میں نے اپنے ہاتھ سے پالا تھا بہتیرا دل بہلاتی تھی مگر دل کسی طرح ٹھیک نہ ہوتا تھا آخر میں نے نخھے دولہا سے کہا کہ میرا جی یہاں سے گھبراتا ہے اب یا تو شہر چلو یا جدھر منہ اٹھے وہ راضی ہو گئے اور ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو امرداور اس کا سارا گھر منتیں کرنے لگا۔ مگر میرا دل اُکھڑ گیا تھا۔ آخر یہ صلاح ٹھیری کہ میرٹھ یہاں سے تیس کوس ہے وہاں چلیں میری ایک رشتہ کی پھوپی وہاں تھیں اور مجھ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں۔ ٹھیرنے کا ٹھکانہ موجود تھا چالیس پچاس روپے بھی پاس ہو گئے تھے۔ گاؤں والوں کو رونا چھوڑ آخر میں اور نخھے دولہا میرٹھ روانہ ہو گئے گاڑی والا تھا تو بڈھا مگر مزاج کا بہت اچھا ہی گزرا۔ ہم صبح ہی بیٹھے تھے شام کو بیگم آباد میں قیام کیا۔ ایک ٹوٹی ہوئی سرائے میں ٹھیرے رات گذر ہی گئی خدا ہمارے ساتھ تھا۔ صبح اٹھ کر آگے بڑھے اور چار بجے میرٹھ پہنچ گئے۔

"لپٹیں آرہی ہیں مرتیا کی"

برجیس دُلہن کی بپتا کو فراموش کرا دیا۔ جب دُعا ہو چکی تو چار بج رہے تھے بادشاہ کا نام آتے ہی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسو نہ نکل رہے ہوں برجیس دُلہن کی داستان ابھی ختم نہ ہوئی تھی اور خیال تھا کہ وہ نماز سے پہلے اپنی مصیبت سُنا دینگی لیکن

گوہر آرا بیگم نے کہا میں جانتی ہوں کہ دلی والوں کو یہ راتیں پھر نصیب نہ ہونگی اور ان کا جی نہ چاہتا ہوگا کہ جلسہ ختم ہو مگر زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر رات اور سمجھو۔ برجیس دُلہن تھک گئی ہیں اس لیئے اب باقی کہانا رات کو۔

جمن صاحب کے احاطہ والے خلیفہ رحیم بخش تیراک جن کے بیٹے مشتبی اب بھی زندہ ہیں اسی صبح کو جمنا میں ڈوب کر مرے انکی بابت سُنا ہے کہ وہ پالتی لگا کر اس پار سے اُس پار حقہ پیتے نکل جاتے تھے انکے ڈوبنے کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ گرنے انکا خاتمہ کیا، بسنت کا اصلی میلہ تو ایک دن کا تھا دلی والوں نے اپنی دھینگا دھینگی دن بڑھالئے تھے خلیفہ جی کی موت سے میلہ کچھ اُکھڑ سا گیا۔ قاضی کے حوض سے لیکر ادھر نئے بانس تک اور ادھر پھاٹک نہر اور موری دروازہ تک بھوری والوں نے دوکانیں نہیں کھولیں۔ ہاں کھوجی والے چرخی والے اور شیخو والے میلہ مناتے رہے۔ مگر آج رونق سی گہما گہمی نہ تھی لیکن شام ہوتے ہی خلقت ٹوٹ پڑی۔ گوہری تمبو اور میدان آدمیوں سے پٹ گیا۔

شہزادیاں قلعہ میں تو پہلے ہی پردہ نہ کرتی تھیں اب غدر نے پردے کا بالکل ہی صفایا کر دیا تھا عشا کی نماز نگمبو دروازے ہوئی اور دس بجے ہونگے کہ بیگم کی آواز گونجی۔ "لپٹیں آرہی ہیں مرتیا کی"

پڑتی۔ ایک پیسے کے چنے چبائے اور رات کو مدار دروازہ کی سڑک پر بیٹھ کر صبح کردی۔ یہ دن اور یہ رات بھی یوں ہی گذری اور وہ دو پیسے بھی ختم ہوگئے۔ بھیپر دو وقت کا فاقہ تھا۔ مگر بھیک مانگنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ایک پختہ حویلی دکھائی دی بسم اللہ کہہ کر اندر گھسی اور گھر والی بی بی سے کہا کہ آپ کو ماما کی ضرورت ہے؟ وہ تو ایسی کمتوڑی تھی کہ جواب بھی نہ دیا۔ ہاں میاں نے کہا کہ "اندر آؤ بی کون ہو کہاں کی رہنے والی ہو۔ کیا تنخواہ لوگی" میں نے کہا جو آپ دیجئے۔ اس پر میاں بیوی میں کچھ صلاح ہوئی اور مجھ کو ایک روپیہ مہینہ کھانے پر نوکر رکھ لیا۔

میاں جس قدر شریف تھے بیوی اسی قدر کمینی۔ کمبخت کی سمجھ میں کوئی کام ہی نہ آتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے تین چار مہینے کاٹے۔ ایک دن مرچوں پر جھگڑا ہوا۔ کہنے لگی تم نے مرچیں زیادہ کردیں۔ میں نے کہا "کمبخت! نوکری لے کر رکھ ہاتھ بیچے ہیں ذات نہیں بیچی"۔ میں اتنا کہہ برقع اوڑھ باہر نکلی۔ پیچھے پیچھے میاں آئے۔ بہتیری منت خوشامد کی۔ مگر میرا دل اُکھڑ گیا تھا۔ میں نہ ٹھیری۔ دو روپے میرے پاس تھے۔ ایک روپیہ چڑھا ہوا تھا وہ نہ ملا نو آنہ اونٹ گاڑی کا کرایہ دے گھر آئی۔

اَب زندگی کا مزہ نہیں ہے۔ ہر نماز کے بعد دُعا کرتی ہوں کہ جہاں سب گئے خدا مجھے بھی وہیں پہونچادے اور میرا پردہ ڈھانک لے"۔



میری وہ راتیں جو بیلے میں بسر ہوئیں زندگی کی بہترین راتیں تھیں۔ شہزادیاں بھی قلعے اور بادشاہ کو اتنا نہ روئی ہونگی جتنا میں دلی اور دلی والوں کو رو رہا ہوں۔ عمر گذشتہ کی یاد بڑھاپے میں سوہان روح ہوتی ہے۔ کلیجہ

پھوپی جان کو بہتیرا ڈھونڈھا۔ مگر خاک پتہ نہ ملا۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہوا کہ غدر میں دونوں میاں بیوی دِلّی جا کر مر گئے۔ اب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ یہاں بھی سرائے میں گئے۔ بھٹیاری کمبخت ایسی خر دماغ کہ خدا کی پناہ بات کرو تو کاٹنے کو دوڑے ہر وقت تو یہ کہتی تھی کہ تم مخبر ہو۔ ہم کو وہاں ٹھیرے چوتھا روز تھا کہ ننھے دولھا بخار میں لوتھ ہو گئے۔ میرٹھ میں خاصی اچھی ہو گئی تھی۔ حکیم کا نسخہ تھا اس نے کہا موتی جھرا ہے آٹھواں یا نواں دن تھا کہ انکی حالت بگڑنی شروع ہو گئی۔ گھس لگانے کو آدمی نہیں۔ آخر میں ہی باہر نکلی اور برقعہ اوڑھ حکیم کے ہاں پہنچی انہوں نے انسانیت برتی کہ میرے ساتھ آ گئے اور نبض دیکھ کر نسخہ بدلا مجھ سے تو یہ کہا کہ گھبراؤ نہیں اللہ مالک ہے اور بھٹیاری سے کہا یہ مر جائیں گے۔ ہوشیار رہنا۔ وہ نامراد آئے تو جائے کہاں ننھے پھلا سا منہ آ کھڑی ہوئی کہ کوٹھری ابھی خالی کرو۔ بیمار کی حالت بگڑ رہی تھی میں نے بہتیرا سمجھایا منت خوشامد کی لیکن وہ کمبخت کیا ماننے والی تھی اپنے دو بھٹیاروں کو اور لے آئی کہ ہماری سرا بدنام ہو گی نوج اس میں سے مردہ نکلے۔ میں روتی ہوئی سڑک پر جا بیٹھی دو تین مرد میرے ساتھ آئے اور ان بے ایمانوں کو ڈانٹا۔ بیمار کو دیکھا تو سانس اُکھڑ رہا تھا وہ اتنے بھلے مانس تھے کہ وہیں بیٹھ گئے۔ شہر والے یقین سنائی رات کے تین بجے ہوں گے کہ ننھے دولھا رخصت ہو گئے۔

میرٹھ کے یہ تینوں آدمی فرشتے تھے جنکو خدا نے بھیجا تھا میرے پاس ایک پیسہ کوڑی نہ تھی انھوں نے ہی اول منزل کیا اور ہمارا کرایہ بھی ادا کیا۔ میں ٹھیک دوپہر کو باہر نکلی تین پیسے میرے پاس تھے کہاں جاتی اور کہاں

برجیس دُلہن کی داستان ادہوری رہ گئی تھی اس لیے پہلے وہ ختم ہوگئی۔ بادشاہ کی سلامتی کی دُعا ہو چکی۔ مگر دلی والوں بادشاہ کہاں! بُلبل اُڑ گئی خالی پنجرے کو پیٹ لو روح نکل گئی جسم باقی ہے۔ تم نے صاحب عالم کا بگڑا ہوا وقت دیکھا جن باتوں کو رو رہی ہوں یہ زوال کے دن تھے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہم نے اچھے رنگ دیکھ لئے۔ قلعہ میں مینا بازار کی سیر ایسی دیکھی کہ اب تم کو نظر نہ آئے گی۔

چھتیسے کال کی وجہ یہ ہے جب آٹا ڈیڑھ من سے چھتیس سیر کا رہ گیا۔ مخلوق چیخ اُٹھی اور کہدیا کال پڑ گیا۔ حضور نے حکم دیا کہ مینا بازار کی ساری آمدنی کنگلوں کو دیدو۔ بات فقط اتنی تھی کہ ساون کے تیرہ دن نکل گئے اور مینہ نہ برسا۔ آدھا اساڑھ خاصا برسا تھا۔ مگر بنیوں نے تیرہ ہی دن کو تیرہ برس بنا آٹا گھٹا دیا۔ بادشاہ اور رعیت کے راز و نیاز ہیں۔ چھتیس سیر کا آٹا ہوتے ہی رعیت نے چھتیسا کال اس سال کا نام رکھ دیا۔ اور حضور نے مینا بازار کی پوری آمدنی کنگلوں کی نذر کر دی۔ کوئی انگریز ولیم صاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے جگہ جگہ کی تصویریں اُتاریں۔ مینا بازار کی تصویر مجھے بھی صبح کو کوٹھڑی میں پڑی مل گئی۔ سُنتی ہوں کہ اب ولایت میں اس کی بڑی قدر ہو رہی ہے۔

تصویر کا نام سُنتے ہی لوگ گرنے شروع ہوگئے۔ لیکن جب گھنٹہ بھر سے زیادہ ہوگیا تو گوہر آرا بیگم نے ایک ہاتھ میں شمع لی اور دوسرے ہاتھ میں تصویر لیکر کہا لیجئے دور سے نیت بھر کر دیکھئے یہ مینا بازار کی تصویر ہے آگے چلکر مینا بازار تو کیا تصویر بھی دیکھنی نصیب نہ ہوگی یہ وہ تصویر ہے کہ حضور کی منجھلی بہو افروز دُلہن تاج رکھے موتیوں کے ہار خرید رہی ہیں اور عورتیں انگوٹھیاں دکھا دکھا کر منہ مانگے دام لے رہی ہیں۔

پر سانپ لوٹ جاتا ہے اور جب جوانی کی بہاریں سامنے آتی ہیں تو گذرے ہوئے دن اور بیتی ہوئی راتیں تیر بنکر دل میں گھستی ہیں۔ مگر جس شخص کی جوانی بھی بڑھاپے سے بدتر ہو جو پیدا ہوا تو روتا ہوا اور زندہ رہا تو روتا ہوا قہقہے بھی آنسوؤں میں شرابور ہوں۔ اور جس کی مسرت بھی افکار سے لبریز، وہ روئیگا تو اپنے آنسوؤں پر اور بلبلائے گا تو اپنے آلام پر۔ زندگی کا وہ فانی دور جو جوانی کے نام سے تعبیر ہوتا ہے۔ مجھپر بھی گذرا ہے۔ فطرت انسانی کے اس اصول سے میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوں۔ مگر جوانی جب یاد آئی ہے اس کے پہلو میں ہمیشہ بچھڑی ہوئی صورتیں دیکھی ہیں۔ ملی اور دلی والے بیلے کے میلے میں جن گھروں کو رو رہے تھے وہ تو خیر رخصت ہو ہی چکے تھے ستم پر ستم یہ ہے کہ وہ رونے والے بھی نہ رہے اور میری آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے سب اُٹھ گئے — میں ان راتوں میں رونے والوں کا ہمنوا تھا آج تنہا ہوں اور کوئی اتنا بھی نہیں جو میرے آنسوؤں کی ہاں میں ہاں ملا دے۔

جی تو یہی چاہتا ہے کہ پھول والی بیگم کی لہکار اور مہکار پر جو کانوں میں گونج رہی اور دماغ میں بس رہی ہے جب تک زندہ ہوں عقیدت کے پھول چڑھاتا رہوں۔ مگر سننے والے اُکتا جائیں گے اس لئے چھوڑتا ہوں اور اصل مقصد پر رجوع کرتا ہوں۔

بے جیسی دُلہن کی داستان ختم ہو چکی تو پھر وہی صدا گونجی "بیٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

خلقت پھر لوٹی اور جو ڈھیریاں باقی رہ گئی تھیں وہ ختم ہو گئیں تو گوہر آرا بیگم نے کہا:-

تیسرا دن بھی فاقے سے گذرا۔ تیسرے پہر کو اس نے آکر کہا آج مغرب عشا کے درمیان تیرا نکاح ہے۔ یہ سنتے ہی جان نکل گئی۔ شام کڑی مصیبت تھی۔ ادہر جھٹ پٹا ہوا ادہر میں نے ابا میاں کی اچکن پہن صافہ باندھا اور لکڑی ہاتھ میں لے باہر نکل گئی۔ ساری رات منہ اُٹھائے چلی گئی پلٹ کر نہ دیکھا صبح مجھے جنگل میں ہوئی مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کالا پیچھے آرہا ہے، پھر چلی شاید دس بجے ہونگے۔ ایک گاؤں کے چوراہے پر مٹی کی چینی میں خشکہ اور دہی رکھا ہوا تھا۔ ڈر ور سب بھول گئی۔ بڑے بڑے نوالے مار آگے بڑہی۔ پیاؤ پر پانی پیا اور چلدی۔

مجھے نہ تو یہ خبر تھی کہ دن کہاں ہے نہ یہ کہ رات کدھر آئی اور گئی یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ کتنے دن اور کتنی راتیں اس طرح گذریں جس گاؤں میں پہنچتی بھیک سے پیٹ بھر لیتی اور آگے بڑہ جاتی۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ اسی طرح گذرا ہوگا۔ آخر تھک کر چور ہوگئی۔ پاؤں لہو لہان ہوئے۔ اور جب ایک دن دوپہر کے وقت بخار شدت سے چڑھا تو ایک درخت کے نیچے ٹھٹکی۔ مگر کالے کمبخت کا ایسا ڈر سوار تھا کہ بخار میں بھی اسی مردود کی صورت سامنے آئی دکھائی دیتی تھی۔ سامنے ایک پہاڑ تھا وہاں گئی تو اس کے نیچے ایک کھوہ میں پڑ گئی۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کب تک وہاں سوئی۔ گھنٹہ بھر یا دن بھر۔ آنکھ کھلی تو بخار اُتر چکا تھا۔ مگر کمزوری کا یہ حال تھا کہ بات نہ کی جاتی تھی۔ چاروں طرف دیکھا آدمی نہ آدم زاد۔ پیاس کے مارے کانٹے زبان پر پڑ رہے تھے۔ مگر پانی کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اس جنگل بیابان میں اس سنسان پہاڑ پر ایک طرف سے کچھ گانے کی سی آواز آئی۔ اسی آواز پر چل کھڑی ہوئی تھوڑی دور جا کر کیا دیکھتی ہوں کہ ایک آبشار ہے اور پاس ہی ایک چشمہ صاف اور شفاف پانی کا لہریں

جب سب لوگ تصویر دیکھ چکے تو گوہر آرا بیگم نے کہا: "اب ہماری ننھی حیدری اپنی داستان سنائیں گی۔ تیرہ چودہ برس کی عمر میں خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھان لی"۔ بی ننھی حیدری مسکرا رہی تھیں کہ پھر آواز گونجی۔

پٹیں آرہی ہیں موتیا کی

گوہر آرا بیگم نے کہا اے ہے بیگم بس کرو دیکھو تو آدھی سے زیادہ رات باتوں ہی باتوں میں گزر گئی غلفت بیچین ہو رہی ہے"۔ بیگم نے قہقہہ مارا اور کہا "آپا پھول تو ختم ہو گئے اب رکھا ہی کیا ہے میں تو ہنس رہی ہوں" اس پر سب ہنس پڑے اور ننھی حیدری نے اپنی بپتی اس طرح سنائی:۔

ننھی حیدری کی سرگذشت

"میرے گھر میں سوائے ابا میاں کے اللہ کا نام تھا۔ باپ تھے تو وہ اور ماں تھے تو وہ بہن بھائی کوئی ہوا ہی نہیں۔ نانی دادی کی صورت بھی نہ دیکھی کسی بڑی ضرورت کو بھی گھر سے نکلتے تو اوپر کی کنڈی لگا کر جاتے۔ جب غدر کا پھاڈ گرا تو وہ بیچارے آس نہ پاس لیکن کالے مخبر نے میرے بے قصور ابا میاں کو پکڑوا دیا اور اتنی سی بات پر کہ اسکے لڑکے سے انہوں نے میری شادی کیوں نہ کر دی مجھپر جو کچھ گذری کیونکر کہوں اور کس سے کہوں دو دن اور دو رات جانماز پر بیٹھی تسبیح پڑھتی رہی۔ تیسرے دن صبح ہی اس نے آکر کہا۔ تیرے باپ کو پھانسی ہوگئی تو میری بھتیجی ہے۔ اب تیرا نکاح میں اپنے لڑکے سے کرونگا۔ اب کوئی اللہ کا بندہ بتلائے کہ میں کیا کرتی۔ ابا میاں کی پھانسی کالے بے ایمان کی بدمعاشی، نکاح کا ڈر کس کس چیز کو روتی۔ یہ

انواع و اقسام کی نعمتیں ہر وقت اس کے واسطے حاضر تھیں۔ اور ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے ہر لحہ اس کی دعوت میں مصروف تھے۔ میں بھی ہر طرح سے بے فکر تھی۔ وہ مجھکو بیٹی سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس کی محبوب و مرغوب چیزیں سانپ تھے ہر وقت کھیلتا اور مگن رہتا۔

ایک روز اس نے مجھکو ایک بُوٹی دکھائی کہ کیسا ہی زہریلا سانپ ہو یہ تریاق ہے۔ اگر ایک قطرہ بھی حلق سے اُتر گیا تو آدمی مر نہیں سکتا۔ کئی روز پیچھے بعد میرا سپیرا پہاڑ سے اُترتا ہوا لڑھک گیا۔ اور ایسا گرا کہ ہڈی پسلی چکنا چور ہو گئی۔ اب میرا یہاں ٹھیرنا فضول تھا۔ اور میرا دل بھی اس کے بعد نہ لگا۔ میں یہ کہنا بھول گئی کہ میرے کپڑوں کی دھجیاں لگ گئی تھیں۔ ایک گیروا چادر سپیرے نے مجھکو دیدی تھی وہی میرے بدن پر تھی صبح کے وقت ایک دن میں وہاں سے چل کھڑی ہوئی شام کے قریب ایک شہر میں پہونچی دلی چھوڑے مدتیں ہو گئی تھیں۔ شہر کی صورت دیکھتے ہی دل کی کیفیت کچھ اور ہو گئی اور اپنا گھر یاد آیا مگر کجا دلی اور کجا میں، ٹھنڈا سانس بھر کر سڑک پر بیٹھ گئی۔ سامنے دیکھا تو آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں دس جاتے ہیں بیس آتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا تمہیں سانپ کے کاٹے کا منتر بھی یاد ہے۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا ہمارے راجکمار کو ناگ نے ڈس لیا۔ میں نے کہا کدھر ہے دیکھوں بُوٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اندر جا کر دیکھا تو بائیس چوبیس برس کا لڑکا بیہوش پڑا ہے اور سینکڑوں آدمی اِدھر اُدھر کھڑے افسوس کر رہے ہیں۔ اس کی ماں پچھاڑیں کھا رہی تھیں میری صورت دیکھتے ہی قدموں میں گری اور کہا مہاراج دیا کیجئے۔ میں نے بوٹی پیس کر حلق میں ڈالی، خدا کی شان راجکمار نے آنکھیں کھول دیں۔ اب تو سارا شہر میرے قدموں میں تھا۔ راجکمار کی

رہا ہے۔ اِدھر اُدھر خوش رنگ پھولوں کے پودے ہیں۔ اور جس وقت ہوا ان پھولوں کو سرسراتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام پہاڑ ہنس رہا ہے کیسی بہار تھی کہ سبحان اللہ میں نے پانی پیا تو کتنا شیریں کہ دل باغ باغ ہوگیا۔ پہاڑی درخت میوؤں سے لدے کھڑے تھے۔ بھوک کے مارے بیتاب تھی۔ خوب توڑے خوب کھائے مگر وہ باجے گانے کی آواز اب تک برابر آرہی تھی اور اب تو بالکل صاف سُنائی دے رہی تھی آگے بڑھی تو دور سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ باجے کی آواز پونگی ہے اور کوئی شخص تنہا کبھی پونگی بجاتا ہے کبھی گاتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص دکھائی دے گیا۔ دُور سے کھڑے ہوکر دیکھا کہ کہیں کالا نہ ہو۔ جب دیکھ لیا کہ ایک بڈھا سپیرا ہے تو پاس پہنچ گئی۔ سپیرا اپنی دھن میں مست خود ہی جھوم رہا تھا۔ اور اس کے سامنے دو سانپ کالے بھنور پھن اٹھا اُٹھا کر اس کی گود میں کھیل رہے تھے مجھکو دیکھ کر سپیرے نے پونگی چھوڑ دی اور ایک سانپ کو ہاتھ میں پکڑ کر مجھ سے پوچھا با کون ہے۔ کیوں آیا ہے۔ میں ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئی۔ سپیرا میرے قریب آیا۔ بڈھا پھونس تھا پلکیں تک بگلہ تھیں اور تمام جسم پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے تمام کیفیت بیان کی وہ ایسا مہربان ہوا کہ اسی وقت اپنے ہاتھ سے پھل توڑ کر کھانے کو دیئے اور کہا بیٹی یہ نیلگری پربت ہے تو شوق سے رہ میں تجھکو اپنی بیٹی سمجھوں گا۔ اس نے مجھ سے اپنی حالت بیان کی کہ سمیرپور راجہ کا بھانجا ہے۔ ایک جوان لڑکی عمر بھر کا سرمایہ تھی جسکو مرے پندرہ بیس برس ہوگئے اس کی موت کے بعد سے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل آیا اور یہاں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مجھے اس کی زندگی پر رشک آتا تھا کہ کوئی رنج وغم اس کے پاس آکر نہ پھٹکتا تھا۔ قدرت کا دسترخوان

دو ڈھائی سو آدمی تھے۔ دن بھر جنگلوں میں رہتا اور رات کو جہاں جی چاہا پہونچا، مارا پیٹا اور جو ہاتھ لگا لے چلتا ہوا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ ایک آدھ ڈاکہ نہ ڈالتا ہو اور دو چار آدمی نہ مارتا ہو۔ آکا ابا کی بہادری مشہور تھی۔ جنٹ صاحب نے اسی لئے ان کو کانپور بھیجا۔ جو لوگ ساتھ تھے وہ اُن کے ماتحت تھے اور خوب رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ رستے بھر انہوں نے جنگل میں منگل رکھا اور کانپور پہونچ چھاؤنی میں ڈیرے ڈال دیئے۔

شام ہوگئی تھی اس لئے رات تو وہیں گذری صبح کو چھوٹے بوچڑ خانہ میں آکا ابا نے مکان کا انتظام کیا اور ہم دونوں ماں بیٹیاں وہاں چلی گئیں ہمارے برابر ہی دیوار بیچ رسالدار احمد نبی خاں کا مکان تھا وہ آکا ابا سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ہماری دعوت کی۔ ہم دوسرے دن شام کو ان کے ہاں گئے۔ تو میں نے ان کی بیوی کو دیکھا بہت ہنس مکھ اور اچھے مزاج کی بی بی تھیں مگر میں یہ دیکھ کر حیران تھی کہ جو لونڈی ان کے ہاں کام کاج کر رہی تھی وہ مجھ سے اپنا منہ چھپاتے لیتی تھی۔ میں نے گھر والی بیوی سے تو پوچھنا مناسب نہ سمجھا مگر اس تاک میں رہی کہ کسی طرح اس چھوکری کو دیکھ لوں۔ جب میں کھانے کے واسطے ہاتھ دھونے اُٹھی تو چھوکری کا گھونگٹ اُلٹ دیا دیکھتی ہوں تو قمر جہاں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا اگر وہی مجھے نہ پکڑ تی تو میں گر پڑتی۔ اس نے سنبھالا اور اشارہ سے کہا "خبردار بولنا مت" میں نے اما جان سے ذکر نہ کیا مگر کھانا کیا خاک کھایا جاتا برائے نام دو چار نوالے کھا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ قمر جہاں کا نام اس گھر میں آکر چنی ہوگیا تھا چلتے وقت میں نے رسالدارنی سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی چنی کو ساتھ لے جاؤں پرایا محلہ اور اکیلا مکان ہے آکا ابا اب چھاؤنی چلے جائیں گے۔"

پڑیں اور کہنے لگیں "اے ہے خالہ ٹکی پڑے موئی لپٹوں کو میرے تو پردے بھی پھٹ گئے" گوہر آرا بیگم نے کہا "اچھا بی خالہ جان تو جلدی جلدی پیپے خالی کرو۔ دیر زیادہ ہوگئی ہے خلقت ٹوٹ پڑی اور ایک آدھ ہی گھنٹہ میں پھول صاف ہوگئے تو گوہر آرا بیگم نے کہا اب سب سے پہلے گوری پھوپی جان اپنی بپتی سنائیں گی اتنا کہہ کر انھوں نے گوری کا ہاتھ پکڑ کر سامنے بٹھایا تو وہ ہنس کر کہنے لگیں:

شہزادی قمر جہاں کی بپتا

سب نے اب تک آپ بیتی سنائی مگر میں جگ بیتی سناتی ہوں اور یہ ایسی ہے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ مجھکو شہر آئے دو سال سے زیادہ ہوئے۔ میں نے کسی سے کچھ نہ کہا آج سب کے سامنے بیان کرتی ہوں

مجھ پر تو کچھ ایسی بپتا نہیں پڑی جس کا رونا روؤں ہاں میں نے بارہ دری والی چچی کی لڑکی قمر جہاں کی جو مصیبت دیکھی وہ خدا دشمن کو نہ دکھائے میرے آکا ابا اجنٹی میں میر منشی تھے کس مخبر کی مجال تھی کہ ہم سے آنکھ ملا لیتا بلکہ انھوں نے بیسیوں کو پھانسی سے چھٹکارا دلوایا اور موئے نصیرا مخبر کو تو جنٹ صاحب سے کہہ کر بیچ بازار میں پھانسی دلوا دی۔ ان کو ایکا ایکی کانپور جانے کا حکم ہوگیا۔ پچیس تیس آدمی ساتھ تھے اور بھی دو تین آدمیوں کے بال بچے تھے باقی سب مرد ہی مرد۔ ہم شام کے تنگ بھگ کانپور اترے وہاں امن بھی تو ہو چکی تھی مگر شیورا ؤ ڈاکو یا باغی اب تک قبضہ میں نہ آیا تھا اس کے

جب رات ہوگئی تو ایک آدمی جس کے پیچھے پیچھے دو نوکر تھے روٹیاں بانٹتا آیا اُس نے مجھکو بھی ایک روٹی دی میں نے پانچویں روز روٹی کی صورت دیکھی تھی امرت ہوگئی۔ کھاکر پانی پیا۔ کئی وقت کے بعد جو پیٹ بھرا تو ایسی نیند آئی کہ کچھ ہوش نہ رہا وہیں سر رکھکر میں لیٹ گئی۔ آنکھ کھلی تو خاصا اُجالا تھا اس طرح تین چار دن گذرے۔ شام کے وقت ایک دن دو تین فوجی آدمی آئے ان میں سکھ بھی تھے اور مسلمان بھی۔ مسلمان نے میری طرف دیکھا اور کہا "چل ہمارے ساتھ آ روٹی دینا گے۔ میں ساتھ ہو لی۔ اس نے اپنے گھر لاکر ایسا پٹخا کہ آج تک نہ اُبھری۔ یہ وہی رسالدار ہیں اور یہ رسالدارنی اُن کی بیوی ہیں آئی کوئی آٹھ دس روز تو میں وہاں رہی پھر یہ لوگ یہاں چلے آئے۔ اب چاہے رنڈی باندی کہو یا ماما اصیل۔ نماز کے وقت کی اُٹھی ایک ٹانگ سے پھرتی ہوں۔ جب کہیں جاکر پیٹ بھرتا ہے۔ بیوی تو خیر کچھ رحم بھی کرلیتی ہے مگر رسالدار تو حقہ کو دم بھر دیر ہوجائے یا نہ سلگے تو چھوٹتے ہی کوڑے سے بات کرتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کھال نہ اُدھڑے دیکھو سارا بدن نیلا ہو رہا ہے"۔

اتنا کہہ کر اُس نے کرتا اُٹھاکر پیٹھ دکھائی۔ اماں اور میں دونوں رونے لگے اسکا جسم چوڑی تھا خدا خدا کرکے صبح ہوئی تو اماں جان نے آکا ابا کو ساری کیفیت سنائی انھوں نے قمر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹی تم گھبراؤ نہیں اپنے گھر آگئی ہو اب رسالدار کے ہاں نہ جانے دونگا۔ میں یہ دیکھ رہی تھی کہ خوش ہونے کے بدلے قمر کچھ ڈر رہی تھی اسکا دل کچھ ایسا مرگیا تھا کہ ہنسی نام کو نہ آرہی تھی۔ آکا ابا نے رسالدار سے کہا تو وہ بہت بھڑکے اور کہنے لگے کہ ہم نے آپ کی اچھی دعوت کی کہ اپنا آدمی ہی ہاتھ سے کھویا آپ اسکو لیجا

رسالدارنی نے کہا "بیٹی شوق سے لے جاؤ" بس باغ باغ ہو گئی اور قمر کو لے گھر آئی۔ اماں جان کو معلوم ہوا کہ یہ قمر ہے تو گلے سے لگا کر اس قدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی میں نے اسی وقت اسکو اپنے کپڑے دئے نہلوایا اور کہدیا کہ بس لونڈی گیری ہو چکی اب کسی کی مجال نہیں کہ تم پر حکومت کر سکے تم بتاؤ تو سہی یہاں کیونکر آ گئیں قمر یہ سن کر بہت روئی جب میں نے زیادہ کہا تو کہنے لگی بُوا کیا بتاؤں تقدیر کا لکھا بھگت رہی ہوں اور دیکھئے کیا کیا لکھا ہے۔ لو سنو کیا بیتی:-

اماں جان تو تھیں ہی نہیں ابا میاں کو جب پھانسی ہو گئی تو گھر میں مٹھی بھر آٹا بھی نہ تھا۔ دو راتیں تو میں نے جوں توں گزاریں مگر تیسرے دن دم آنکھوں میں آ گیا اور پانی کی بھی بوند رہی تو رضائی اوڑھ باہر نکلی۔ بھوک اور پیاس کے مارے جان نکل رہی تھی ایک کرتہ پاپا جامہ کی پوٹلی بغل میں تھی چاروں طرف بھیک مانگی مگر خدا گواہ ہے جو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو۔ ہاں پیا تو پانی تو خوب ڈگڈگا کر پیا آگے بڑھی تو سارا قلعہ جمعہ مسجد کے تلے جمع تھا وہاں پہونچی تو سب رشتہ دار اور ملنے جلنے والے مگر کچھ ایسی نفسی نفسی پڑ رہی تھی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا معلوم یہ ہوا کہ چنوں کی گاڑی گیارہ بجے آتی ہے اور سب کو مٹھی مٹھی بھر ملتے ہیں۔ بی کیا بتاؤں کہ کیونکر گذری مجھ میں تو چلنے کی سکت نہ تھی زمین پر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ گاڑی آئی تو خدا کی پناہ ایک پر ایک گر رہا تھا دھکا اور مُکا لات اور گھونسہ مگر پیٹ بری بلا ہے پٹتی کٹتی پہونچی اور مٹھی بھر چنے جو اسوقت پلاؤ سے زیادہ تھے دو ہی پھنکوں میں ختم کر دیئے۔ چاروں طرف چیل کی طرح منڈلائی لیکن ایک دانہ نصیب نہ ہوا۔

"ہم ختم ہو جائیں گے مگر ہماری داستانیں ختم نہ ہونگی، جبتک دُنیا زندہ ہے اسوقت تک ہمارا تذکرہ زندہ رہیگا اسوقت تک ہمارے رونے والے بھی نہ رہیں گے۔ ہم پر جو قیامت ٹوٹی ہے یہ ایسی نہیں ہے کہ آدمی بھول جائے ہماری بپتا دوسروں کے دل دہلائے گی۔ گورے یا کالے جو کچھ بھی تھے ایسی آفت ڈھائی ہے کہ دِلّی اور دِلّی والے عمر بھر روئیں گے مخبروں نے جو ستم توڑا ہے اور بیگناہوں کو پھانسیاں دلوا کر جیسے جیسے گھر اُجڑوائے ہیں اسکا بدلہ ہم اپنی آنکھ سے دیکھیں گے معصوموں کا خون اوپر ہی اوپر نہ جائے گا۔ ان چاروں نامراد مخبروں میں سے ایک کالے کی کٹیا تو کٹ چکی دوسرا جمنا پاؤں پیٹ رہا ہے باقی دونوں کا حشر بھی دیکھ لینا۔ اب میلہ اور داستانیں ختم زندگی ہے تو اگلے برس پھر دیکھ لیں گے۔"

برجیس دولہن پانی پیکر کچھ سنبھل گئی تھیں وہ، کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ ایک دفعہ اور

"لپٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

آواز گونجی اور پھول والی بیگم نے کہا "مرنے والے ایسے بدنصیب تھے کہ ان شہیدوں کو گور و کفن کچھ بھی نصیب نہ ہوا پھول اور چالیسواں تو الگ رہے ڈھونڈھیں بھی تو پتہ نہیں کہ کس کی قبر کہاں ہے یہ جنّتی بندے ایسے بے وارثے تو نہ تھے کہ انکی روحیں ترستی پھڑکتی سدھاریں اور دو روٹیاں تک نصیب نہ ہوں میں چاہتی ہوں کہ غدر کے شہیدوں کا کل چالیسواں ہو جائے بوا گوہر آرا بیگم اگر منظور کریں تو اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوگا سارا شہر جمع ہے لیکن بس خالی خولی رونے دھونے سے کیا حاصل جو جسکو نصیب ہو اپنا اپنا کھانا لے آئے اور یہاں مل بیٹھ کر ان کے نام سے کھالیں۔"

کہاں سکتے ہیں اسکا نکاح تو میرے نوکر بنو سے ہو چکا ہے" آکا ابا کو بھی غصہ آگیا اور اُنھوں نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے یہ کون ہے میری بیوی کی بھانجی ہے۔ مرو خدا مسلمان ہو تمہارے آگے بھی بیٹی بھانجیاں ہیں۔ سدا دور ایک نہیں رہتا خدا معلوم کل کیا ہو۔ اس کے قہر سے ڈرو" رسالدار نے حیل حجت تو بہت کی مگر آکا ابا نے ایک نہ سُنی اور بوچڑخانہ کا مکان چھوڑ قمر کو ساتھ لے چھاؤنی میں آگئے۔

جب ڈاکو پکڑ لیا گیا اور اس کے ساتھی بھی پھانسی پر لٹک گئے تو آکا ابا دلی آگئے یہاں آئے شاید ساتواں مہینہ تھا کہ قمر کو بخار چڑھا جب سے آئے دن کی بیمار ہے بخار چڑھتا ہے پھر اُتر جاتا ہے پھر چڑھتا ہے کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا اب قمر ہڈیوں کی الا ہے۔ دُبلی پتلی نازک مزاج لڑکی تھی رسالدار ظالم کے کوڑوں نے زندہ درگور کر دیا اب کوئی دن کی مہمان ہے یہاں آنے کو تڑپ رہی تھی مگر ایک قدم بھی نہیں چلا جلتا۔ خدا اس بدنصیب کا انجام بخیر کرے۔



گوری کی داستان ختم ہوئی تو رات فضاء آسمانی میں کروٹ بدل رہی تھی طبیعتیں گوری کے بیان سے متاثر ہو چکی تہیں اس پر چند لحہ کی خاموشی اور وداع شب کا درد انگیز آسمان دلوں کی کیفیت عجیب تھی مشکل سے گھڑی بھر اس طرح گذری ہو گی کہ برجیس دُلہن نے روتے ہوئے کہا۔

"تُم دلی والوں ختم کرو روؤ گے تو ہمیشہ مگر اب طبیعتیں سنبھالو اور اپنے اپنے دھندے دیکھو جو ہونا تھا وہ ہو گیا"

برجیس دُلہن دوسروں کو سمجھا رہی تھیں مگر انکی اپنی حالت یہ تھی کہ ہچکی بندھی ہوئی تھی آخر گوہر آرا بیگم نے انکو پانی پلا کر خاموش کیا اور فرمایا۔

کہاکر بی جی کو چلی۔ سارے شہر کو کڑ وا کر گھر گھر کہرام مچوا چکا اب
چالیسویں میں شریک ہوا۔ موئے بے غیرت غارت ہو یہاں سے۔
گوہر آرا بیگم کا غصہ لحہ بہ لحہ بڑھ رہا تھا خلقت انکے ساتھ ہوگئی۔ اور
میں سمجھتا ہوں کہ دم بھر میں حمید کی تکا بوٹی ہو جاتی کہ پھول بیگم نے
آواز لگائی۔

"لپٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

ایک صدا کے ساتھ ہی ایک قہقہہ گونجا اور خود گوہر آرا بیگم کے چہرے
پر مسکراہٹ آگئی، تو پھول والی بیگم نے کہا بڑی آپا جان اِس ناشدنی نے
جو کچھ کیا آپ بھگتے گا یہ جانے اور اس کا خدا جانے تم نے سُنا نہیں
مردہ دو جوانوں کو روچکا لڑکے کی مچھاتی لاش گھر سے نکلی خاصی اچھی بھلی
چنگی بیٹی گھڑی بھر میں چٹ پٹ ہوگئی۔ وہ کس بل سب نکل گیا اب تو
اپنے کرکرتوتوں کو روتا ہے یہ جانے اور اس کا خدا۔ آگیا ہے تو آنے دیجئے
ایسا ہی ہے تو اس کے کھانے پر لعنت بھیجئے اور کتوں کو کھلا دیجئے مگر زمین
تو اللہ کی ہے ہم کیوں نکالیں۔ پھول والی بیگم کے ساتھ ہی کچھ لوگ ہوگئے
اور فیصلہ یہ ہوا کہ اس کے کھانے کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ بیٹھا ہے تو بیٹھے
رہنے دو۔

حمید کا نام سُنتے ہی چاروں طرف سے خلقت نے اسے گھورنا شروع
کیا گو پھول والی بیگم کی رائے سے کچھ آدمی متفق بھی ہوگئے مگر ہر طرف سے
ایسی لعن طعن ہوئی کہ اسکو بیٹھنا مصیبت ہوگیا اور دو نو بھائی آنکھ بچا ایسے
چمپت ہوئے کہ پھر صبح تک انکی صورت نہ دکھائی دی۔
دس بجے ہونگے یا بجنے والے ہونگے کہ مولوی نوراللہ خاں نے آواز بلند

پھول والی بیگم کی رائے سے سب نے اتفاق کیا اور جلسہ سے متفقہ آواز آئی کہ بہت خوب ضرور چاہئے کل ہم سب جو خدا نے دیا اللہ چاہے مغرب کے وقت لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

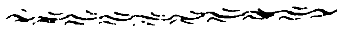
اُب پو پھٹ رہی تھی اور ہوا اور پرند روز روشن کی آمد کا غلغلہ بلند کر رہے تھے کہ گوہر آرا بیگم نے کہا "اچھا بھائی بہنوں خدا حافظ اجل خیر سے شام کو پھر جمع ہونگے اور آج اپنے مرنے والوں کا چالیسواں کرینگے۔"

جلسہ برخاست ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے مگر شام سے پہلے ہی خلقت انواع و اقسام کے کھانے لیکر آ پہونچی۔

افسوس ہے مجھے آج ٹھیک یاد نہیں مگر اتنا خیال ضرور ہے کہ دیگوں کی گنتی نہ تھی چاروں طرف زردہ بریانی پھیلا ہوا تھا بلا مبالغہ سو سوا سو دیگیں ہوں گی یہ کہنا ہی مشکل ہے کہ کتنے اور کونسے خاندان شریک ہوئے مجھے جہاں تک یاد ہے شاید ہی کوئی گھر بچا ہو گا زمین آدمیوں اور کھانے سے پٹ رہی تھی کھانا شروع ہونے سے پہلے حمید مخبر اور اسکا چھوٹا بھائی جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ گوہر آرا بیگم کو دکھائی دے گئے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئیں اور کہنے لگیں۔

اَرے جوانا مرگ حمید تو نے تھوڑی مصیبت توڑی ہے کمبخت پھلر وا سے بچے تیری بدولت یتیم ہوئے بہنہ دو دو مہینہ کی دُلہنیں تیرے ہاتھوں رانڈیں ہوئیں تو نے بھرے پرے گھر اُجاڑے اور جوان شیروں کو جو ہمارے آس نہ پاس پھانسی پر لٹکوا دیا آج تو نیک بنکر کھانا کھلانے اور ثواب پہونچانے آیا ہے اسی وقت یہاں سے دُور ہو اور نکل جا نہیں تو یاد رکھیو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ بھیجا پلپلا ہو جائے گا لرسو چے

وہ یہ کہہ کر کھڑے ہوئے وضو کیا اور ایسی اذان دی کہ میلہ گونج اٹھا نماز حافظ ضمیر نے پڑھائی اور اس کے بعد ایک دفعہ اور غدر میں مرنے والوں کی پاک روحوں کو ثواب پہونچایا گیا اور بادشاہ کی درازی عمر کی دعائیں ہوئیں۔
میلہ صبح ہی اُکھڑ گیا تھا اور دلی والے اپنے اپنے کاموں میں پھنس گئے تھے کہ دو بجے کے قریب اسی حمید مخبر کی اچانک موت کی خبر شہر میں پھیل گئی اس کی موت کے واقعات اس قدر تعجب انگیز ہیں کہ بیساختہ خدا کی قدرت یاد آجاتی ہے +



خاصا بھلا چنگا دن کے گیارہ بجے تک چاروں طرف پھرا محلے کے ایک بڈھے آدمی کو مارا کسی ایک کو گالیاں دیں، ایک ایک سے لڑا اور مرزا احمد سے تو یہاں تک کہا کہ آکارت کو تو خوب پھیلے۔ تو بھی میرا نام حمید جو تمکو شہر کا رہنا ہی نہ بھلوا دوں جب میں مخبر ہی مشہور ہو گیا تو اب پوری ہی مخبری کر و نگا اور سب کو چھٹی کا کھایا یاد دلا دونگا" فیل کا نیل بنا ہوا تھا جسکی طرف منہ کیا وہ ہی سہم گیا۔ ایک بجے دونوں ہاتھوں میں دو گنے لیے چوراہے کی طرف سے آرہا تھا سیدھے ہاتھ کو چھکڑا تھا اُلٹے ہاتھ پر اوپلوں کے گدھے سامنے سے چارنی شلجموں کا ٹوکرا لیے آرہی تھی۔ بچکر نکلتا تھا کہ بڑھیا کی ٹکر لگی اس کی جھلی نیچے گری اور اس نے جوانی کے زور میں دو تین گنے سر پہ ایسے مارے کہ غریب خونم خون ہو گئی مگر خرانٹ گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھ گیا عورت خون پونچھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور ٹوکرا سر پر رکھ آگے بڑھی مگر نہ چلا گیا اور آگے جا کر پھر گری۔
حمید اینٹھتا ہوا چلا جا رہا تھا چلتے چلتے کلیجہ میں درد اُٹھا ہائے ہائے کہتا ہوا زمین پر گرا۔ خون کی قے ہوئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ آنکھیں پھر گئیں۔ لوگوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ لگ گیا۔ جو تھا وہ لعنت بھیج رہا تھا اور خدا کی قدرت کے تماشے دیکھ رہا

فرمایا جب یہ کھانا چالیسویں کا ہے تو ایصال ثواب کے واسطے پہلے ختم ہو اس کے بعد کھانا کھایا جائے انکی رائے پسند کی گئی اور بسم اللہ انہوں ہی نے کی۔

دلی میں آج بھی بہت سے حافظ ہیں اور خدا کا شکر ہے رمضان المبارک میں یہ سینکڑوں مسجدیں آباد ہو جاتی ہیں اور شاید ہی کوئی ایسی مسجد ہو جہاں تراویح نہ ہوتی ہو ختم بھی ہوتے ہیں کلام اللہ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن نہ معلوم اُس دور کے حافظ کیسے تھے انکی آوازوں میں کیا جادو اور دل میں کیسا درد تھا کہ مجمع پر سناٹا چھا گیا ہزار ہا آدمیوں کا ٹھٹ مگر سانس تک کی آواز نہ تھی شہر کے مشہور حافظ امیر اللہ خاں کو پہلی مرتبہ میں نے وہیں سُنا اور دیکھا حافظ وزیر نے باوجود بخار کے مصری لہجہ میں ایک رکوع اس طرح پڑھا کہ آنسو نکل پڑے اس کے بعد تو مجلس کا رنگ ہی بدل گیا سب کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں ختم کے بعد سلیمہ سلطان نے نعت پڑھی اور دلوں کے ٹکڑے اُڑا دیے اور بیویاں بھی پڑھنے کا ارادہ کر رہی تھیں مگر گوہر آرا بیگم نے کہا کہ بس اب پہلے کھانا کھایئے گیارہ بجے ہیں باسی ہو جائیگا۔ کھانے میں خاصے ڈھائی تین گھنٹے صرف ہوئے دو بجے کے قریب فارغ ہوئے تو امی خاں نے جو شہر کا مشہور گویا تھا بادشاہ کی ایک غزل سُنائی اس وقت کی مجلس کا یہ حال تھا کہ کلیجہ منہ کو آرہا تھا مجھے غزل یاد نہیں مگر قدسی کی غزل پر بادشاہ کی تضمین تھی امی کے بعد اور لوگوں نے بادشاہ ہی کی غزلیں پڑھیں اور یہ رات اسی طرح ختم ہوئی تو حافظ رحمت نابینا نے بلند آواز سے فرمایا۔

”ہمیشہ رہے نام اللہ کا“

کوئی رات کی بچی بچائی باسی کوسی روٹی بغل میں ماری دو چار پان کے ٹکڑے مٹی کا حقہ ساتھ لیا اور وہیں شام کردی۔ اگر کوئی مچھلی مل گئی تو فبہا محلہ بھر میں عید ہوگئی۔ کچھ بیچی کچھ بانٹی کچھ کھائی کچھ رکھی۔ نہ ملی تو چپکے سے آ کچھ موجود ہوا تو کھاکر ورنہ فاقے سے چپکے سے پڑ رہے۔

شہزادوں کا یہ خاندان غدر کے بعد کچھ شادی بیاہوں کے اور کچھ کام کے سلسلہ میں منتشر ہوکر دوسرے شہروں میں پہونچ گیا یہ جس وقت کا ذکر ہے اس وقت دلی شہزادوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی مگر افلاس نے ایسی بری گت بنادی تھی کہ روٹی تھی تو کپڑا نہ تھا اور کپڑا تھا تو روٹی نہ تھی۔



دلی میں جو میلے اس سے پہلے ہوئے وہ میں نے نہیں دیکھے مگر اس کے بعد میلے بھی دیکھے دربار بھی دیکھے۔ جلسے اور محفلیں بھی دیکھیں۔ بیگمیں اور کانفرنسیں بھی دیکھیں مگر جو صورتیں میلے میں نظر آگئیں وہ تو پھر کیا نظر آتیں ان جیسی بھی پھر دیکھنے میں نہ آئیں۔ ہاں پھول والی بیگم جب تک زندہ رہیں انکی لہکار اور انکے پھولوں کی مہکار وہ سماں یاد دلاتی رہی۔

برجیس دولہن جو اس میلے کی جان اور گوہر آرا بیگم جو اس برات کی دولہن تھیں بہت روز تک زندہ رہیں۔ برجیس دولہن کلاں محل کے پاس رہتی تھیں مگر گوہر آرا بیگم اپنی نند کے ساتھ سلطان جی چلی گئی تھیں کبھی کبھی پھول والی بیگم کے ہاں ان شہزادیوں کا جھمگھٹا ہوجاتا تھا۔ عید اور بقرعید پر سب کی سب پھول والی بیگم کے ہاں جمع ہوتی تھیں اور رنگ رلیاں منالیتی تھیں۔ قطب میں بھی اندھیری باغ میں ایک برسات میں نے اس میلے کے چار یا پانچ سال بعد شہزادیوں کی دیکھی ہے۔ جھولے پڑے ہوتے تھے اور آم جامنوں کی جھلیاں رکھی ہوئی تھیں

تہا اسکا بڑا بہائی چارپائی پر ڈالکر گھر لیگیا اور کسی حکیم کو لایا وہاں جا کر کیا گذری یہ تو خبر نہیں ہاں یہ سُنا تہا کہ کتے کی طرح ڈیڑہ دو گہنٹہ بہونکا آخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ عصر کی نماز میں اسکا جنازہ مسجد میں آیا مگر ایک مسلمان نے بھی نماز نہ پڑہی بڑی مشکل سے آغا حیدر اور مولوی سلیمان صاحب کے سمجہانے بہجانے سے کوئی پانچ سات آدمی شریک ہو گئے اور اس طرح مغرب سے پہلے پہلے اس بدبخت کا جنازہ قدم شریف میں پہونچا اور رات کے اندھیرے میں جب روشنی بھی برائے نام تھی گورکنوں نے اوندھا سیدھا دبا دیا۔ اس کی موت نے ساری دلی کو سبق دیا اور مدتوں اسکا چرچا شہر کے بچہ بچہ کی زبان پر رہا۔

اس کی مچپاتی لاش پر چاروں طرف سے لعنت برس رہی تھی اور اگر دو چار آدمی بیچ بچاؤ نہ کرتے تو خدا معلوم اسکا کیا حشر ہوتا۔ شاید شہر والے تکا بوٹی کر ڈالتے۔ بڑے بہائی کی جو شامت آئی تو پھول کر بیٹھا لیکن شہر والے تو در کنار محلہ کا بھی کوئی آدمی جا کر نہ پھٹکا پہاٹک حبش خاں میں مولوی احمد اللہ صاحب کا یتیم خانہ تہا سارا کہانا وہاں بہیجا مگر انہوں نے بھی لینے سے انکار کر دیا اب یہ نہ معلوم کہ کتوں نے کہایا یا بلیوں نے بہرحال اس کی موت کا وہ حشر ہوا کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

شہر میں سب ہی جیسی تھی مگر دلی والوں کے دل بادشاہ کے ساتھ اس اطمینان کو رو رہے تھے جو غدر سے پہلے نصیب تہا گوروں کے رعب کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دور سے صورت نظر آجاتی تھی تو بعض اللہ کے بندے تو کانپ جاتے تھے۔

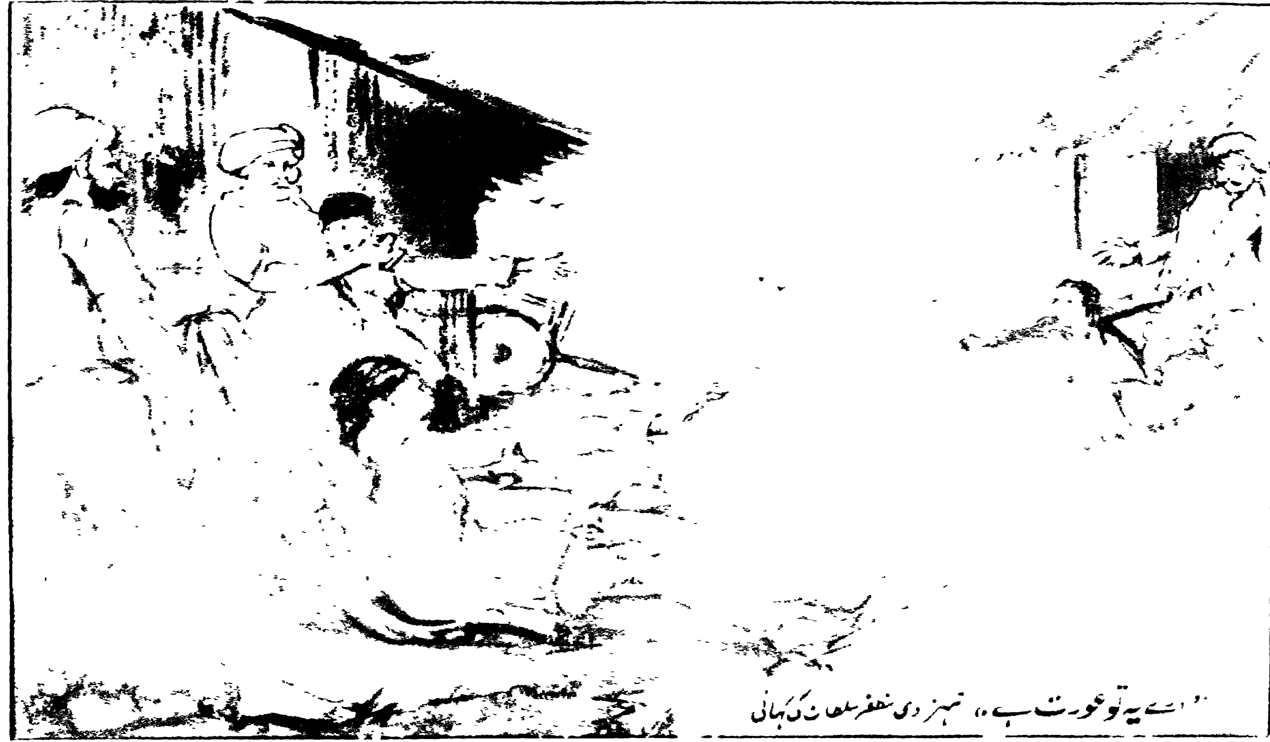
غدر کے بعد جو انقلاب ہوا وہ ایسا نہ تہا کہ دلی اسکو آسانی سے فراموش کر دیتی ہزاروں کہاتے پیتے دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے جن کے گھروں پر گھوڑے بندھے ہوئے تھے ان کو روٹی تک نصیب نہ تھی۔ جس ان بدنصیبوں کا پیٹ بھی بھر رہی تھی اور دل بہلا رہی تھی صبح اٹھے اور مچھلی کی ڈور کانٹے لیے اور دریا پر پہونچ گئے

کڑھائیاں چڑھی ہوئی تہیں اور پینگیں بڑھ رہی تھیں۔ پھول والی بیگم جس وقت
جھولے میں بیٹھی ہیں تو گوہر آرا بیگم انکے ساتھ پاؤں جوڑے بیٹھی تھیں۔
سلطانہ بیگم اور برجیس دولہن جن کے ساتھ اور بہت سی بیبیاں تہیں جھولا
جھول رہی تہیں پھول والی بیگم نے جس وقت یہ ملہار شروع کیا ہے۔

"جھلوا جھلاتے ناگن ڈس گئی"

تو باغ گونج اُٹھا تھا۔ شام تک چہل پہل رہی۔ گوہر آرا بیگم کو میں نے
اس کے بعد نہیں دیکھا۔ سُنا ضرور کہ زندہ ہیں اسی طرح برجیس دولہن
بھی پھر نظر نہ آئیں ہاں پھول والی بیگم کی صدا روز رات کو بلند ہوتی تھی
وہ کبھی کبھی جب جی چاہتا تھا تو خود ہی بادشاہ کی کوئی غزل الاپتی تھیں
مگر جہاں انہوں نے غزل شروع کی اور دوکان کے آگے بھیڑ لگی، رات کے
سناٹے میں شاید ہی کوئی ایسا سنگدل ہوتا ہوگا جس کے کلیجہ میں بیگم کی
آواز نہ گھستی ہو۔

افسوس یہ ہے کہ بیگم کے سوا جنکو سرکار سے کچھہ نہ ملتا تھا باقی اور سب
شہزادیوں کی جنکو ماہانہ وظیفہ مل رہا تھا حالت نہایت ردی تھی ٹھیک
یاد نہیں مگر گوہر آرا بیگم کے ہاں سب مل جل کر پچاس روپیہ سے کم کا وظیفہ
نہ ہوگا مگر انکے نندوئی اور دیور بھنگ چرس۔ چنڈو، کبوتر، مرغ، گلدم، ہر رنگ
میں رنگے ہوئے تھے یقینی طور پر تو کہنا مشکل ہے مگر گمان غالب ہے کہ مہینہ میں
ایک آدھ فاقہ ضرور تو آتا ہوگا۔ انکی بھتیجی قمر آرا جسکو انہوں نے بیٹی بنا لیا تھا
پہلی بیوی کے مرجانے کے بعد سلطان دولہا سے بیاہی گئی۔ یہ سب ہی گنوں
پورے تھے لمبی سفید ڈاڑھی تھی مگر چوک پر روزانہ کبوتر ہاتھ میں لیے موجود
ہوتے تھے۔ ٹوپی تو چکٹ ہوتی تھی، مگر ہوتی وہی شاہانہ تھی میں نے انکو چوک



"ارے یہ تو عورت ہے" شہزادی نظفر سلطان کی کہانی

M[illegible] Art Press Delhi